ماهنامه
راہ اسلام
شمارہ ۱۷۱-۱۷۲، جولائی-اگست ۱۹۹۸ء

مولاعلی علیہ السلام کی دختر گرامی، اسلام کی عظیم خاتون
حضرت زینب سلام اللہ علیہا
کی ولادت باسعادت مبارک ہو

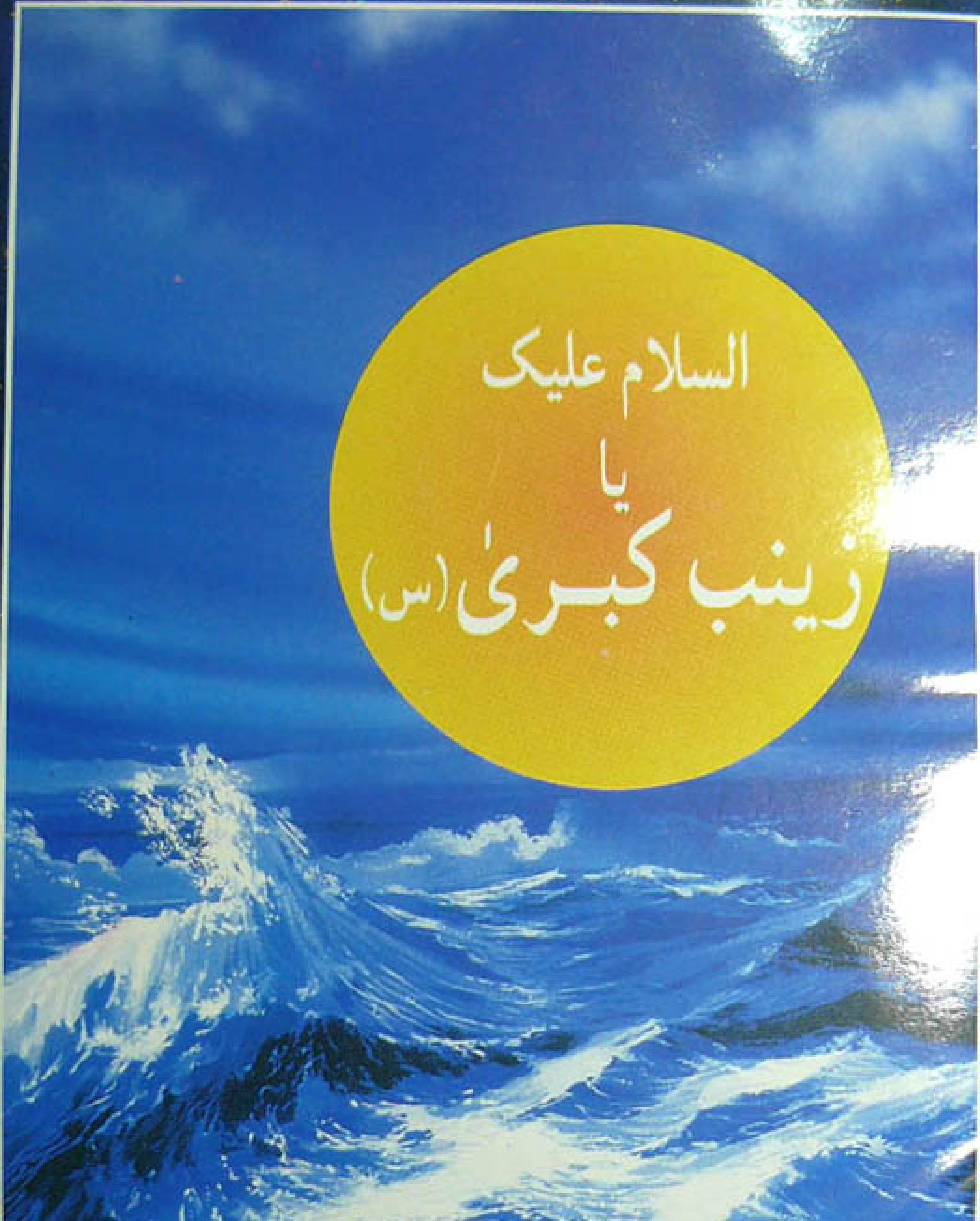

حسینی انقلاب کی پیغامبر و دین مبین اسلام کی محافظ و پاسدار اور عصمت و شجاعت کی بحر بیکراں خاتون پر ہمارا سلام۔

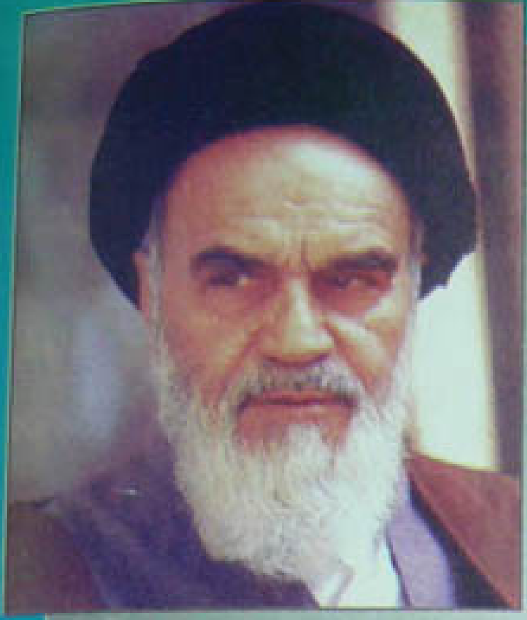

مسلمانوں سے جس عزت و عظمت
و سربلندی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ فقط ایمان
و توحید کے واضح اور گہرے معنی و مفہوم
کے ادراک کے سایہ میں ہی حاصل ہو سکتی
ہے لہٰذا توحید کے مفہوم کی صحیح تفہیم و سمجھ
اور اعتقادی و عملی اعتبار سے اس کی مکمل
پیروی و پابندی کے بغیر مسلمانوں کے سلسلے
میں خداوند عالم کا کوئی بھی وعدہ ہرگز پورا نہ
ہوگا۔

(حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای)

یہ خدائے کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ
مسلمانوں کے درمیان تفرقہ و تنازعہ پیدا کرنے اور
اسے فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے
ساتھ ہی ساتھ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان
لوگوں کا اس اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے جس کی
کتاب قرآن مجید ہے اور جس کا قبلہ کعبہ ہے۔ یہ لوگ
اس اسلام سے ناواقف ہیں اور اس اسلام پر ایمان نہیں
لائے ہیں۔ جو لوگ اسلام پر واقعی ایمان لائے ہیں وہ
قرآن و قرآنی ارشادات کو قبول و تسلیم کرتے ہیں
اور قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ تمام مومنین آپس میں بھائی
بھائی ہیں۔ پس اخوت و برادری کا جو تقاضہ ہے وہ پورا
ہونا چاہئے اور اسے بہرحال پورا کرنا ہوگا۔

(حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

راہ اسلام

شمارہ ۱۷۱-۱۷۲- جولائی-اگست ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر' پرنٹر' پبلشر:

محمد رضا باقری

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۱۸۔ تلک مارگ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۳۸۳۲۳۲

☆☆☆☆☆

اداراتی و دیگر معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۳۳۔ مہارشی کروے روڈ

(ایم۔ کے۔ روڈ)

بالمقابل چرنی روڈ ریلوے اسٹیشن۔ بمبئی

اعلی پرنٹنگ پریس

۱۵۲۔ گلی سوداگران' بلی ماران۔ دہلی۔ ۶

اس شمارے میں

اداریہ ۲

زندگانی پیغمبر اسلامؐ .... از: استاد جعفر سبحانی .. ۴

مبلغ انقلاب حسینیؑ و محافظ دین محمدیؐ حضرت زینب (س) ۸

امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی ۱۲

اہم پیغام ۱۷

اسلامی کانفرنس تنظیم .... آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کا خطاب .. ۱۹

وحدت واتحاد اور امام خمینیؒ .... از: حجت الاسلام احمد خمینی (طاب ثراہ) .. ۲۴

مساجد اور فن معماری ۲۹

اسلامی فنون لطیفہ کی لافانی اقدار .... از: ٹائٹس برکہارٹ .. ۳۳

ہندستان میں فارسی ادب .... از: پروفیسر سید جعفر رضا .. ۳۷

نظم ۴۱

اہم خبریں ۴۲

آپ کا صفحہ ۴۵

انگریزی زبان میں مقالات واہم خبریں ۴۷

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مقالے کا جمہوری اسلامی ایران کے نظریات کا مظہر ہونا لازمی نہیں ہے۔

اداریہ

اسلامی بیداری و عصری فکر و آگہی

مختلف النوع انسانی تہذیب و تمدن کے طلوع و غروب اور عروج و زوال کی تاریخ کے محققانہ مطالعہ و عادلانہ و غیر جانبدارانہ تجزیہ کے دوران طرح طرح کے اہم نکات ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جب انسانی معاشروں کو سماجی اور ثقافتی میدان میں وسعت و ترقی کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہیں اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوگیا کہ نمایاں انسانی صفات اور روحانی و معنوی قدروں کے ساتھ تمسک و وابستگی کے بغیر ترقی و سربلندی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو ان انسانی تہذیبوں اور تمدنوں نے معنویات اور عظیم انسانی صفات سے گہرا رابطہ قائم کرلیا اور ترقی و سربلندی کی منزلیں طے کرنے لگیں دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عظیم انسانی تہذیبوں کی نشو و نما اور عظمت و سربلندی میں معنویات نے اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوران تاریخ دنیا کی تمام نمایاں تہذیبوں کا سلسلہ پیغمبران الٰہی سے جڑا رہا ہے اور یہ الٰہی نمائندے' پیغام و خداوندی احکام کے سایہ میں انسانی معاشروں کے معنوی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دنیائے بشریت کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

پتہ چلتا ہے کہ منزل کمال کی طرف گامزن انسانی تہذیبوں میں مذہب و معنویات کو بنیادی اور کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے چنانچہ جیسے ہی انسانی معاشروں نے مذہب و معنویات کی طرف سے لاپرواہی اور بے توجہی اختیار کی' دینی و روحانی قدروں کو فراموش کیا اور ان کے رہنماؤں میں انحراف و بے راہ روی کا بازار گرم ہوا' یہ نمایاں تہذیبیں زوال و نابودی سے ہمکنار ہوگئیں۔ انسانی معاشروں میں بے جا تعصب کا دور دورہ دکھائی دینے لگا اور انسانی سماج کو بیوقوف بنانے کے لئے طاغوتی و سامراجی رہنما الٰہی آئین و قوانین کو نمائشی اور نام نہاد منطقی قوانین میں تبدیل کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دھیرے دھیرے یہ تہذیبیں ظاہری ترقی کے ساتھ ساتھ فساد و بدعنوانی' جہالت اور انحراف و بے راہ روی کے دلدل میں دھنستی چلی گئیں اور تفرقہ و اختلاف نے وحدت و مساوات کی جانشینی اختیار کرلی۔

تاریخ بشریت گواہ ہے کہ ایسے فاسد و نامساعد اور غیر انسانی ماحول میں دین اسلام کا ظہور عمل میں آیا۔ انحراف و جہالت کا یہ عالم تھا کہ خانۂ توحید الٰہی شرک و بت پرستی کا مرکز بن چکا تھا اور دنیا کے دیگر علاقوں میں بھی رائج ادیان و مذاہب انحراف و بے راہ روی کا شکار تھے۔ چنانچہ اسلام کا سورج نمودار ہوتے ہی جہالت و تاریکی کے بادل چھٹ گئے اور دنیائے بشریت کو نجات و سربلندی کا راستہ صاف دکھائی دینے لگا۔ اسلامی احکام و ہدایت نے بشریت کو سعادت آمیز و قانون پسندانہ زندگی کا پیغام سنایا اور عظیم اسلامی تعلیمات و الٰہی ثقافتی معیار کے سایہ میں انسانی معاشرہ نے ترقی و خوشحالی کی منزلیں طے کرنا شروع کردیں۔ چنانچہ مختصری مدت میں انسانی معاشرہ نے مختلف النوع علوم و فنون 'منطق و فلسفہ' ہنر و ادبیات اور زندگی کے دیگر شعبوں میں غیر معمولی ترقی حاصل کرلی۔ اسلامی ثقافتی قدروں اور معیاروں کے سایہ میں انسانی سماج نے یہ غیر معمولی اور نمایاں ترقیاں اس وقت حاصل کرلی تھیں جب یورپ جہالت اور خرافات کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ ایسی واضح حقیقت ہے جس کا اعتراف غیر مسلم محققین نے بھی کیا ہے کہ عظیم الشان اسلامی مفکرین اور دانشوروں نے علوم و معارف کے تمام شعبوں میں ایسی عظیم کامیابی حاصل کی کہ آنے والے وقت میں ان کے علمی تجربات و نتائج جملہ علوم و فنون کی بنیاد بن گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام کی بنیاد نہایت استوار و مستحکم ہے۔ اس کی بنیاد محکم و مدلل و ناقابل تحریف کتاب قرآن مجید ہے اور یہ دین' خداوند عالم کا پسندیدہ ترین دین ہے اور پیغمبر اسلام خداوند عالم کے آخری نبی ہیں اور اسلام کا مقصد بنی نوع انسان کو ابدی اور دوامی سعادت عطا کرنا ہے اور اس کا اعجاز و معجزہ خود اس کی بقا و ہمیشگی ہے لیکن چند صدیوں کے دوران الٰہی راہ و روش سے دوری و علیحدگی اور دین اسلام کے بنیادی اصولوں کی فراموشی کی وجہ سے اسلامی معاشروں پر جمود و پسماندگی چھاگئی۔ جس امت واحدہ کے کندھوں پر دنیائے بشریت کی قیادت و ہدایت کی ذمہ داری تھی وہ آپسی اختلافات کے

طاقتوں کے درمیان جھلنے لگی اور اسلام دشمن طاقتوں کو طعنہ آمیز انداز میں یہ پروپگنڈہ کرنے کا موقع ہاتھ آگیا کہ معاذ اللہ وہ اسلام جو خود مسلمانوں کو باہمی میل جول اور امن و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ نہ سکھا سکا وہ عالمی انسانی سماج کو راہ نجات و سعادت کیسے دکھا سکتا ہے؟! جی ہاں! ایک سچے اور دیندار مسلمان کی حیثیت سے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب و عوامل ہیں جن کی وجہ سے جگہ جگہ پر خود اپنے ہی ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور امت اسلامیہ پر غیر معمولی اداسی و مایوسی اور پسماندگی و بے سر و سامانی چھائی ہوئی ہے؟ اسلامی بیداری کے سایہ میں اور عصری فکر و آگہی کو بروئے کار لاتے ہوئے ان اسباب و عوامل کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

الف۔ حقیقت الٰہی پر مبنی حقیقی اسلامی راہ و روش سے دوری و علیحدگی۔

ب۔ قومی و نسلی و مذہبی تعصبات و خرافات سے تمسک و وابستگی اور علمی و سماجی تحقیقات کی طرف سے لاپرواہی و بے توجہی۔

ج۔ سماجی عدالت، انفرادی و اجتماعی حقوق کی حفاظت، صحت و سلامتی اور تعلیم و تربیت جیسے شعبوں پر مشتمل ایک ترقی یافتہ و شگفتہ تمدن کے بنیادی اصول و قوانین کی وسعت و اشاعت میں دین مبین اسلام کی استعداد و صلاحیتوں کی فراموشی۔

د۔ اسلامی معاشروں کے لیڈروں کے درمیان تفرقہ و نفاق اور بے سبب عداوتوں اور جھگڑوں کی بھرمار۔

ان تمام اسباب و عوامل نے استکباری طاقتوں اور اسلام کے جانی دشمنوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ موجودہ صورتحال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی معاشروں کے درمیان شگاف پیدا کرنے میں ہمہ تن سرگرم ہو جائیں۔ چنانچہ گزشتہ چند صدیوں کے دوران بعض منافقین کی براہ راست حمایت و پشت پناہی اور ناواقف و نادان عناصر کی بالواسطہ حمایت و ہمدردی کی وجہ سے مسلمانوں پر خوب مظالم ڈھائے گئے اور ان کی تباہی و بربادی کے لئے ہر ممکن ہتھکنڈہ اور غیر انسانی ہتھکنڈوں کا بھرپور استعمال کیا گیا۔

عصر حاضر میں امریکی سامراج نے اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کی حیثیت سے اپنے طفل نامشروع یعنی صیہونی حکومت کی اعلانیہ حمایت اور پرستی کے ساتھ دنیائے اسلام کے لئے نہایت خوفناک رنگ و روپ اختیار کر لیا ہے اور وہ روز بروز ایسے منصوبے بنانے میں لگا ہوا ہے جن کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرتے ہوئے مسلمانوں کو تباہی و بربادی کا شکار بنایا جا سکے۔ لہٰذا مذکورہ بالا اسباب و عوامل کا بغور مطالعہ و تجزیہ کرتے ہوئے ہم لوگوں کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی فکر کرنی چاہئے اور اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی و بازیابی اور اسلامی ارمانات و مقامات عالیہ کی تکمیل کے لئے فقط نعرہ بازی کافی نہیں بلکہ اس وقت غیر معمولی اسلامی بیداری و ہوشیاری اور حقیقی اسلام محمدی کے سلسلے میں گہری آگہی و سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں لگاتار کوشش و جد و جہد کرتے رہنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ کسی مشن و مقصد کی بیخ کنی و نابودی کے لئے فقط یہی کافی نہیں ہے کہ اس پر جبر پر حملہ کیا جائے گا بلکہ اگر اس مشن و مقصد کے دفاع میں کوتاہی و لاپرواہی برتی جائے تو یہ بد حفاظتی اس کی نابودی میں اور زیادہ موثر ثابت ہوگی۔

آج سے بیس سال قبل ایرانی مسلمانوں نے حضرت امام خمینیؒ کی دانشمندانہ قیادت میں پرچم اسلام کی دوبارہ سربلندی کے لئے ایک نئی اور عظیم تحریک شروع کی جو در حقیقت اسلامی معاشرہ کی قیادت و رہبری میں اسلامی ثقافت و اصول و آئین کی ترویج پر مشتمل تھی اور اس کا بنیادی مقصد امت اسلامیہ ایران کی نور آگاہی تھا اور اس تحریک کی عظیم ترین و مقدس ترین نعمت مسلمانان عالم کے درمیان وحدت و اتحاد قائم کرنے کی مخلصانہ کوشش تھی۔

ولایت فقیہ جیسے اہم اور بنیادی اصول پر قائم ہونے والی اس عظیم تحریک نے غیر معمولی اور جاودانہ استحکام و ثبات قدم حاصل کر لیا چنانچہ وہ دشمنان اسلام جو اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ اس تحریک کے بانی حضرت امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد اسلامی نظام حکومت گوشہ نشینی کا شکار ہو جائے گا، وہ اس کی روز افزوں وسعت و مقبولیت کو دیکھ کر شرمندہ و مایوس رہ گئے اور انہیں یہ سمجھنے میں چنداں دشواری نہیں ہوئی کہ حقیقی اسلامی تحریک کی مقدس راہ کسی ایک شخص کی ذات پر قائم نہیں ہے بلکہ مقدس الٰہی مقصد و مشن ہے جو قرآنی اصول و آئین پر قائم ہے چنانچہ سر دست امام خمینیؒ کے فرزند معنوی حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای اس الٰہی تحریک کے قائد و علمبردار ہیں اور امید قوی ہے کہ موجودہ صدی کا یہ عظیم کرشمہ اور اس کی درخشاں عظمت و کامیابیاں ایک کے حقیقی مالک و وارث حضرت ولی عصر مہدی آخر الزماں (عج) کے ظہور تک قائم رہیں گی۔

راہ اسلام کے گزشتہ شمارہ میں اس بات کی طرف بھرپور اشارہ کیا جاچکا ہے کہ کس طرح احد کی جیتی ہوئی جنگ شرمناک شکست میں تبدیل ہوگئی۔ سپاہیان اسلام پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور عنقریب تھا کہ دشمنان اسلام پیغمبر اکرمؐ کا کام تمام کردیں لیکن حضرت علیؑ اور بعض دیگر مجاہدوں کی جانبازی و معرکہ آرائی کی وجہ سے، جس میں نسیبہ کی شجاعانہ کارگزاری بھی شامل ہے، پیغمبر کی جان بچ گئی۔ اس کے بعد رونما ہونے والے حالات کا تذکرہ و تجزیہ درج ذیل عبارت میں پیش کیا جارہا ہے:

داستان احد کا باقی حصہ:

معدودے چند افراد کی شجاعت و جانبازی کی وجہ سے پیغمبرؐ کی جان بچ گئی۔ خوش قسمتی کی بات تو یہ تھی کہ دشمنوں کی اکثریت کا یہ خیال تھا کہ پیغمبر اکرمؐ مارے گئے لہٰذا وہ لوگ مقتل میں قتل شدہ افراد کے درمیان پیغمبرؐ کے جسد خاکی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ادھر حضرت علیؑ، ابو دجانہ اور بطور احتمال چند دیگر افراد، دشمنون کے حملوں کا جواب دینے میں لگے ہوئے تھے۔ اس موقع پر مصلحت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پیغمبرؐ کی موت کی خبر کی تردید نہیں کی گئی تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ "شعب" یعنی درہ کی طرف چلے جائیں۔

راستہ میں پیغمبر اکرمؐ اس گڑھے میں گر گئے جو "ابو عامر" نے مسلمانوں کے لئے کھود رکھا تھا۔ فوراً ہی حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں گڑھے سے باہر نکال لیا۔ مسلمانوں میں جس شخص نے پیغمبر اکرمؐ کو سب سے پہلے پہچان لیا اس کا نام "کعب مالک" تھا۔ اس نے دیکھا کہ عمامہ کے نیچے پیغمبرؐ کی آنکھوں سے نور چھلک رہا ہے۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور فوراً بلند آواز میں کہنے لگا: "دیکھو اے مسلمانو! پیغمبرؐ یہاں ہیں۔ وہ زندہ سلامت ہیں اور خداوند عالم نے انہیں دشمنوں کے قاتلانہ حملہ سے بچالیا ہے۔"

اس بات کا قوی امکان تھا کہ پیغمبرؐ کی سلامتی کی خبر پھیلنے سے دشمن دوبارہ حملہ آور ہوجاتے لہٰذا پیغمبرؐ نے کعب کو حکم دیا کہ وہ اس خبر کو پوشیدہ رکھے۔ کعب نے فوراً سکوت اختیار کرلیا۔

آخرکار پیغمبر اکرمؐ پہاڑ کے درہ کے دہانہ تک پہونچ گئے۔ اس جگہ کچھ مسلمان پہلے ہی سے موجود تھے۔ جب ان لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کو زندہ و سلامت دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا لیکن وہ سب پیغمبرؐ کے سامنے شرمندہ و پشیمان ہوئے۔ ابو عبیدہ نامی جراح نے پیغمبرؐ کے چہرۂ مبارک میں دھنسی ہوئی مغفر یعنی زنجیر کی دو کڑیوں کو باہر نکالا۔ امیرالمومنینؑ اپنی ڈھال میں پانی لے آئے۔ پیغمبرؐ نے اس پانی سے منہ دھوتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وہ ملت جس نے اپنے نبیؐ کے چہرے کو خون آلود کیا، وہ خداوند عالم کے شدید غیظ و غضب کا شکار ہوئی!"

موقع پرست دشمن

جس وقت مسلمان غیر معمولی شکست سے روبرو ہوگئے تو موقع پرست دشمن نے یہ خیال کیا کہ یہ وقت ان کے افکار و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بہت مناسب ہے لہٰذا انہوں نے عوام الناس کو متاثر کرنے کے لئے توحیدی آئین کے خلاف زوردار

نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ عصر حاضر کے ایک مشہور مصنف کا خیال ہے کہ "لوگوں کے افکار و عقائد کو متاثر کرنے کا بہترین اور مناسب ترین موقع وہ ہوتا ہے جب وہ شکست خوردہ حالت میں مختلف النوع مصائب و آلام میں گرفتار ہوں۔ مصیبت کی شدت کی وجہ سے ستم رسیدہ قوم کے حوصلے پست اور متزلزل ہو جاتے ہیں اور اس قوم کے لوگوں میں معاملات کو سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہونچنے کی صلاحیت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ ایسے حالات میں شکست خوردہ قوم ہر طرح کے برے اور بے بنیاد پروپگنڈوں کا اثر بہت جلد قبول کیا کرتی ہے۔"

چنانچہ جنگ احد میں مسلمانوں کی شرمناک شکست کے بعد ابو سفیان اور عکرمہ نے دو بڑے بت اپنے ہاتھوں پر بلند کئے اور لوگوں کے درمیان گھوم گھوم کر اپنی خوشی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان لوگوں نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے "اعل ھبل ' اعل ھبل" یعنی ھبل زندہ باد اور ھبل پائندہ و سربلند باد کے نعرے بھی لگائے اور لوگوں تک یہ پیغام پہونچانے کی کوشش کی کہ لشکر اسلام کے خلاف ان لوگوں کی یہ کامیابی در حقیقت بت پرستی کی کامیابی ہے کیونکہ اگر ان بتوں کے علاوہ کوئی خدا ہوتا اور توحید پرستی میں کچھ حقیقت ہوتی تو اس جنگ میں ان مسلمانوں کو کامیابی ملی ہوتی۔

رسول اکرمؐ فوراً متوجہ ہو گئے کہ موجودہ حساس حالات میں دشمن ایک خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے اور اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے لہذا وہ اپنے تمام مصائب بھول گئے اور فوراً حضرت علیؑ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس شرک انگیز نعرے کا جواب دیتے ہوئے یہ نعرہ بلند کریں۔ "الله اعلی واجل ' الله اعلی واجل" یعنی خدا ہی عظیم و توانا ہے۔ اور یہ شکست خدا پرستی کی شکست نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سپہ سالار کے حکم سے انحراف ہے۔

اس کے بعد بھی ابو سفیان اپنے زہریلے پروپگنڈے سے باز نہیں آیا اور یہ کہنے لگا۔ "نحن لنا العزی ولا عزی لکم۔" یعنی ہم لوگوں کے پاس عزی نامی بڑا بت ہے اور تم لوگوں کے پاس کوئی بت نہیں ہے پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمن کے ہر نعرہ کا

ابو سفیان مسلمانوں کی طرف سے ملنے والے دنداں شکن جواب کی تاب نہ لا سکا لہٰذا بڑی جھنجھلاہٹ کے عالم میں' یہ کہتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا کہ "ہم تمہیں اگلے سال دیکھ لیں گے۔"

مناسب جواب دیتے رہیں۔ پیغمبرؐ کا اشارہ پاتے ہی وادی میں جمع تمام مسلمانوں نے اونچی آواز میں یہ نعرہ لگایا۔ "الله مولانا ولا مولی لکم۔" یعنی اگر تم لوگ ایک بت پر جو پتھر یا لکڑی کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے' تکیہ کئے ہوئے ہو تو جان لو کہ ہم لوگ اس خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان و اعتماد رکھتے ہیں جو خالق و مالک کائنات ہے۔

منادی شرک نے تیسری مرتبہ کہا: "آج تم لوگوں کو بدلہ مل گیا۔" مسلمانوں نے حکم پیغمبرؐ کے مطابق جواب دیا کہ "یہ دونوں دن ہرگز برابر نہیں ہیں کیونکہ ہمارے مقتولین بہشت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں۔"

ابو سفیان مسلمانوں کی طرف سے ملنے والے دنداں شکن جواب کی تاب نہ لا سکا لہٰذا بڑی جھنجھلاہٹ کے عالم میں یہ کہتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا کہ "ہم تمہیں اگلے سال دیکھ لیں گے۔" ع

اب مسلمانوں کے سامنے سیکڑوں زخمی سپاہیان اسلام کے علاج اور ۷۰ شہداء کی تکفین و تدفین کا مسئلہ تھا۔ پہلے ان لوگوں نے نماز عصر ادا کرنے کا اہتمام کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے شدید کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی اور اس کے بعد شہداء احد کے دفن و کفن میں مشغول ہو گئے۔

جنگ کا خاتمہ:

جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو گئی اور طرفین ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ اس بار مسلمان شہداء کی تعداد مقتولین قریش سے تین گنا سے بھی زیادہ تھی لہٰذا ان لوگوں کے لئے یہ لازمی تھا کہ لازمی مذہبی مراسم کے ساتھ شہداء کے جسد کو جلد از جلد سپرد خاک کر دیں۔

قریش کی عورتوں نے اس ظاہری کامیابی کے بعد مسلمان مقتولین کے ساتھ ایسے شرمناک اور وحشیانہ سلوک کئے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان لوگوں نے مسلمان شہداء کے اعضاء بدن مثلاً ناک و کان کاٹ کر اپنے دل میں انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن بدنامی و رسوائی کے

علاوہ انہیں کچھ نہ مل سکا۔ دنیا کی تمام قوموں کے درمیان دشمن کے مقتولین کے احترام کی رسم ہے لیکن ابوسفیان کی زوجہ نے مسلمان مقتولین کے اعضاء بدن سے ہار بنوایا اور اسے اپنے گلے میں ڈالا اور اپنے کانوں میں شہداء کے اعضاء بدن کے گوشوارے لٹکائے فقط اسی بات پر اکتفا نہیں کی بلکہ پیغمبرؐ کے چچا حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے ان کے جگر کو اپنے دانتوں سے چباتی رہی۔ اس سنگ دل وجگر خوارہ عورت نے حضرت حمزہ کے کلیجے کو چبا کر نگلنے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ ایسی مذموم وشرمناک حرکت تھی کہ خود ابوسفیان یہ کہنے لگا کہ "میں اس حرکت سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ اگرچہ میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن میں اس حرکت سے زیادہ رنجیدہ ومعذور بھی نہیں ہوں۔"

یہ عورت اپنے اس برے کردار و وحشیانہ اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان "ہند آکلۃ الاکباد۔" ہند جگر خوارہ کے نام سے مشہور ہو گئی اور اس کی اولاد کو جگر خوارہ عورت کی اولاد کہا جانے لگا۔

مسلمان پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ قتل گاہ میں داخل ہوتے ہیں تاکہ اپنے ۷۰ شہداء کی لاشوں کو سپرد خاک کریں۔ وہاں پیغمبرؐ کی نگاہ حضرت حمزہ کی لاش پر پڑی تو وہ غیر معمولی منقلب ہو گئے اور ان پر ایسا غم وغصہ اور غیظ وغضب طاری ہوا کہ خود کہنے لگے۔ "آج میں اپنے اندر جس غیظ وغضب کا احساس کر رہا ہوں وہ میری زندگی میں عدیم المثال ہے۔

مورخین اور مفسرین متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اس موقع پر یہ عہد کرتے ہیں کہ آنے والے وقت میں مشرکین پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہ ان کے مقتولین کی لاش کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں گے بلکہ دشمن نے تو ایک لاش کا "مثلہ" کیا ہے وہ اس کے بدلے میں دشمن کے تیس مقتولین کا "مثلہ" کریں گے۔ ابھی ان لوگوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا ہی تھا کہ امین وحی اس آیہ کریمہ کے ساتھ پیغمبرؐ کی خدمت میں نازل ہوئے۔

اگر تم لوگ یہ فیصلہ کرتے ہو کہ انہیں سزا دو تو سزا کے سلسلے میں اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کرو اور اگر صبر سے کام لو تو صابرین کیلئے بہر حال بہتری ہے۔ [۳]

> **یہ عورت اپنے اس بُرے کردار اور وحشیانہ اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان "ہند آکلۃ الاکباد۔" (ہند جگر خوارہ) کے نام سے مشہور ہو گئی اور اس کی اولاد کو جگر خوارہ عورت کی اولاد کہا جانے لگا۔**

اسلام نے اس آیہ کریمہ کے ذریعہ جو درحقیقت مکمل اسلامی عدالتی نظام کی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے ایک بار پھر اپنے روحانی اور کریمانہ چہرہ کو ظاہر کر دیا اور دنیا والوں پر یہ بات ثابت کر دی کہ دین مبین اسلام درحقیقت انتقام پسندی کا مذہب نہیں ہے بلکہ اس نے غیظ وغضب کی شدت میں بھی مسلمانوں سے میانہ روی اور اعتدال کا مطالبہ کیا ہے اور انہیں اس بات کی طرف ہمہ تن متوجہ رکھا ہے کہ کسی بھی حالت میں عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے اور ہر وقت انصاف کے تقاضہ کو پورا کرتے رہنا چاہئے۔

حضرت حمزہ کی بہن "صفیہ" بار بار یہ اصرار کر رہی تھیں کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو دیکھنا چاہتی ہیں لیکن ان کے بیٹے "زبیر" نے حکم پیغمبرؐ کے بموجب اپنی والدہ کو مقتل میں نہیں آنے دیا۔ صفیہ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ دشمنوں نے میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم میرے بھائی کی لاش تک پہونچا دو تو میں رنج وغم اور غیظ وغضب کا مظاہرہ نہ کروں گی بلکہ میں خدا کی راہ میں آنے والی اس مصیبت پر صبر واستقامت سے کام لوں گی۔

یہ تربیت یافتہ خاتون اسلامی وقار کے ساتھ اپنے بھائی کے جنازہ کے قریب آئیں 'نماز جنازہ ادا کی' ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس چلی گئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمانی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے اور اس طاقت کے ذریعہ مصائب وآلام اور غیظ وغضب کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے اور اس طاقت سے مصیبت زدہ شخص کو غیر معمولی سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور دو دو لاشوں کو دفن کر دیا۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ "عمر جموح" اور "عبداللہ عمرو" کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے جگری دوست تھے اور اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی یہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں [۴]

سعد بن ربیع کے آخری کلمات:

سعد بن ربیع 'پیغمبرؐ کے وفادار ساتھیوں میں تھے۔ ان کا دل ایمان واخلاص سے مالا مال تھا۔ جنگ احد میں بارہ زخم کھانے کے بعد بھی غیر معمولی زخمی

...ن میں مقتل کے ایک گوشہ میں پڑے ہوئے
...ے ایک شخص نے قریب سے گزرتے ہوئے
...وگ کہتے ہیں کہ محمدؐ مارے گئے۔" سعد نے اس
...ص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر محمدؐ مارے گئے
...ر کا خدا تو زندہ ہے۔ اور ہم لوگ الٰہی دین و آئین
...تبلیغ واشاعت کے لئے جہاد کررہے ہیں اور توحید
...ر حدوں کا دفاع کررہے ہیں۔"

...ب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو پیغمبرؐ کو سعد ابن
...ع یاد آئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے
...ہوئے کہا کیا تم لوگوں میں سے کوئی شخص "سعد" کے
...رے میں کوئی خبر لاسکتا ہے؟ "زید بن ثابت" آگے
...ے اور پیغمبرؐ سے یہ وعدہ کیا کہ وہ سعد کے بارے
...یں صحیح خبر لاسکتے ہیں۔ اس کے بعد زید نے مقتولین
...کے درمیان سعد کو ڈھونڈنا شروع کیا تھوڑی دیر بعد
...نہیں سعد انتہائی زخمی حالت میں مل گئے۔ انہوں سعد
...سے بتایا کہ مجھے پیغمبر اکرمؐ نے تمہارے بارے میں
...صحیح اطلاع حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ سعد نے
...کہا کہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں میرا اسلام عرض
...کرتے ہوئے کہنا کہ "اب سعد کی زندگی کے چند
...لمحات ہی باقی رہ گئے ہیں اور اے خدا کے رسولؐ! خدا
...وند عالم آپ کو اس اجر عظیم سے سرفراز فرمائے جو
...پیغمبروں کے شایان شان ہو۔"

اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "پیغمبرؐ کے اصحاب وانصار تک میرا اسلام پہونچاتے ہوئے ان سے کہہ دینا کہ اگر تمہاری زندگی میں پیغمبرؐ کو کوئی اذیت پہونچی تو بارگاہ خداوندی میں تمہارا کوئی بھی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔"

ابھی زید بن ثابت سعد کے قریب سے ہٹے بھی نہ تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔۵

درحقیقت انسان کا اپنی ذات سے بڑا گہرا تعلق ہوا کرتا ہے اور دانشوروں کی اصطلاح میں "حب ذات" کی جڑیں اتنی گہری اور طاقتور ہوتی ہیں کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنی ذات کو فراموش نہیں کرپاتا چاہے اسے اپنی جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے۔

لیکن ایمان کی طاقت اور مقصد سے عشق کا زور اتنا زیادہ موثر اور طاقتور ہوا کرتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے بھی گزر جاتا ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس بہادر وجانباز مجاہد اسلام کی زندگی اور موت کے درمیان محض چند لمحوں کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا لیکن اس کو اپنے نفس اور اپنی ذات کی پرواہ نہ تھی بلکہ پیغمبرؐ کی گرانقدر زندگی کی فکر لگی ہوئی تھی کیونکہ اس کو یہ اندازہ تھا کہ عظیم الٰہی مقصد کی تکمیل کے لئے پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کا تحفظ زیادہ ضروری ہے۔ اسی وجہ سے "زید بن ثابت" کے ذریعہ اس نے اپنے دوستوں کے پاس صرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے قائد ورہبر کی حفاظت سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہ ہوں۔

مدینہ کی طرف پیغمبر اکرمؐ کی واپسی

سورج مغرب کی طرف بڑھتا چلا جارہا تھا اور اپنی کرنوں سے دنیا کے دوسرے حصوں کو منور کرنے والا تھا۔ سرزمین احد پر غیر معمولی سکوت وخاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں بھاری جانی ومالی نقصان سے دوچار مسلمانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ اپنے سپاہیوں کے علاج نیز اپنی دفاعی طاقت کو دوبارہ منظم کرنے کے لئے اپنے گھروں کی طرف واپس چلے جائیں۔ سپہ سالار لشکر اسلام نے وطن واپسی کا حکم صادر کردیا۔

چنانچہ کچھ ہی دیر میں پیغمبر اکرمؐ اپنے پسماندہ اصحاب وانصار کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوگئے۔ وہ مدینہ جہاں ہر گھر سے نوحہ وماتم اور نالہ وشیون کی آواز بلند تھی۔

پیغمبر اکرمؐ "بنی عبد الاشہل" کے گھروں میں گئے اور اس قبیلے کی عورتوں کا نوحہ وماتم سن کر منقلب ہوگئے اور ان کی نورانی آنکھوں سے بھی اشک جاری ہوگئے۔ انہوں نے اپنی اشک آلود آنکھوں کے ساتھ نہایت دھیمی آواز میں یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ "افسوس! آج حمزہ پر گریہ وزاری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔"۶

سعد معاذ اور دیگر کچھ لوگ پیغمبرؐ کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں پیغمبرؐ کی خواہش کا اندازہ ہوگیا چنانچہ فوراً ہی ان لوگوں نے کچھ عورتوں کو حکم دیا کہ اسلام کے اس نامور مجاہد حضرت حمزہ کے سوگ میں مجلس عزا کا اہتمام کرتے ہوئے نوحہ وماتم کریں۔ پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ خواتین مدینہ حمزہ کے سوگ میں نوحہ وماتم کررہی ہیں۔ پیغمبرؐ نے ان خواتین کے حق میں دعا کی اور کہنے لگے: "انصار جماعت سے مجھے ہمیشہ ہر طرح کا مادی اور معنوی تعاون حاصل رہا ہے۔" اس کے بعد پیغمبرؐ نے ان عورتوں سے کہا کہ وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔ (باقی آئندہ)

حوالے:

۱۔ اشتد غضب اللہ علی من ادمی وجہ نبیہ
۲۔ بحار الانوار جلد ۲۰ ص۔ ۳۳ و ۳۵
۳۔ وان عاقبتم .... خیر للصابرین۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۶
۴۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۸ بحار الانوار جلد ۲۰ ص۔ ۱۳۱
۵۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۹۵
۶۔ ولکن حمزۃ لابواکی لہ "سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۹۹

مبلغ انقلاب حسینی

محافظ دین محمدیؐ ثانی زہراؑ

حضرت زینب سلام اللہ علیہا

پیغمبر اکرمؐ کے گھر والے بڑی بیقراری سے بچہ کی ولادت کا انتظار کر رہے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس خوشخبری کا انتظار تھا اور پیغمبرؐ کے اہلبیت اطہارؑ سے محبت کرنے والے بارگاہ خداوندی میں دست بدعا تھے کہ زچہ وبچہ دونوں زندہ وسلامت رہیں۔

دو گرانقدر نواسوں یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ولادت سے پیغمبرؐ کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں اور اب تیسرے مولود مبارک کی ولادت کا وقت آگیا ہے۔

جی ہاں! اس نو مولود کی والدہ پیغمبر اکرمؐ کی پارۂ جگر حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں جنھیں خداوند عالم نے پیغمبرؐ کے لئے کوثر بناکر بھیجا ہے، اس نو مولود کے والد کا نام حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ ہے جو رسول خداؐ کے بعد سرچشمۂ ولایت اور ان کے وصی وجانشین ہوئے۔ جی ہاں! علیؑ اس عظیم المرتبت شخصیت کا نام ہے جس نے بچپن ہی سے اسلام و پیغمبر اسلامؐ کی خدمت وحمایت کی، ساری زندگی اسلام کی راہ میں سرگرم جہاد رہے اور رضائے خداوندی کے علاوہ دوسری کسی چیز سے کوئی لگاؤ نہیں رکھا اور پوری زندگی شجاعت وجوانمردی، علم ودانش اور تقویٰ وپرہیزگاری کا نمونہ بنے رہے۔ جی ہاں! اس نو مولود کی جدۂ ماجدہ یعنی نانی خدیجہ بنت خویلد ہیں جو صدر اسلام کی خواتین کی سردار ورہنما تھیں اور انہوں نے دین مبین اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دیا تھا۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ مصائب وآلام کے دوران انھوں نے رسالت کی بھرپور تائید وحمایت کی۔ چنانچہ جس وقت پیغمبر اسلامؐ پر نزول وحی کا آغاز ہوا تو غار حرا سے واپسی پر حضرت خدیجہ (س) نے ہی پیغمبرؐ کو قلبی وذہنی سکون واطمینان فراہم کیا۔

اس مولود کے جد بزرگوار یعنی دادا حضرت ابو طالبؑ بن عبد المطلب تھے۔ حضرت ابو طالبؑ پیغمبرؐ کے حقیقی چچا تھے اور اپنے بھائی عبد اللہ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی تربیت وپرورش کی ذمہ داری حضرت ابو طالبؑ نے نبھائی تھی اور انتہائی نازک وپر خطر حالات میں پیغمبرؐ کی حمایت کی اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ اپنے فریضہ سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

جی ہاں! اس نو مولود مبارک یعنی حضرت زینبؑ کی دادی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف اور زوجہ ابو طالبؑ ہیں۔ یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن کی شادی ہاشمی مرد سے ہوئی اور انھوں نے انوار الٰہی کے سایہ میں روئے زمین پر واقع مقدس ترین گھر یعنی خانہ کعبہ کے اندر حضرت علیؑ کو جنم دیا۔ فاطمہ بنت اسدؑ اس عظیم خاتون کا نام ہے جس کی وفات کے موقع پر کفن کے لئے پیغمبرؐ نے اپنی عبا پیش کر دی اور کچھ دیر تک ان کی قبر میں لیٹے رہے۔ اصحاب نے پیغمبرؐ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ان معظمہ کے ساتھ جیسا سلوک فرمایا ہے ایسا کسی دوسری مرحومہ کے ساتھ کبھی نہیں کیا؟"

پیغمبر اکرمؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"چچا ابو طالبؑ کے بعد مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والی خاتون یہ تھیں۔ اسی وجہ سے میں نے انھیں اپنی عبا کا کفن دیا ہے تاکہ انھیں بہشتی لباس سے آراستہ کیا جائے اور تھوڑی دیر تک ان کی قبر میں اس وجہ سے لیٹا ہوا تھا کہ قبر کی سخت منزل ان کے لئے آسان ہو جائے۔"

جی ہاں! حضرت زینبؑ کا تعلق اس خاندان سے ہے جس کی مثال تاریخ بشریت میں نہیں ملتی ہے۔ یہ خداوند عالم کا پسندیدہ گھرانہ ہے جس نے خداوند عالم کے آخری اور پسندیدہ ترین دین کی رسالت

مانت و حفاظت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر سنبھالی تاکہ یہ قیامت تک کے لئے دنیا کے تمام لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل بن جائے۔ اب خداوند عالم اس خانوادہ کو ایک ایسا نومولود عطا کرنے والا ہے جس کو آنے والے وقت میں حیرت انگیز کارنامے انجام دینے ہیں۔ بہرحال انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور پیغمبرؐ کے گھر میں ایک بچی کی ولادت ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ خبر ہر جگہ پھیل گئی کہ پیغمبرؐ کے گھر میں نواسی پیدا ہوئی ہے جیسے ہی پیغمبر کو اپنی نواسی کی ولادت کی اطلاع ملی انھوں نے اس لڑکی کا نام زینب رکھ دیا تاکہ یہ بچی ان کی مرحوم بیٹی "زینب" کی یاد تازہ رکھے جس کا کچھ دنوں پہلے ہی انتقال ہوا تھا۔

زینب پیغمبرؐ کی سب سے بڑی بیٹی کا نام تھا جس کی شادی انھوں نے بعثت سے قبل اپنے خالہ زاد بھائی اباالعاص بن الربیع بن عبدالعزیز بن عبدشمس کے ساتھ کر دی تھی۔

زینب جنگ بدر کے بعد سرزمین مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران رونما ہونے والے ایک حادثہ کی وجہ سے انتقال کر گئیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مکہ سے مدینہ جاتے وقت مشرکین میں سے ایک شخص نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت زینب حاملہ تھیں اور اس ظالم نے ان کے پیٹ پر ایسی چوٹ لگائی کہ حمل ساقط ہو گیا اور اسقاط کے بعد زینب کی وفات ہو گئی۔ پیغمبرؐ کو اپنی اس بیٹی کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا تھا چنانچہ جیسے ہی حضرت فاطمہ زہراؑ کے یہاں اس بچی کی ولادت ہوئی پیغمبرؐ نے اس کا نام زینب رکھ دیا۔

بہرحال حضرت زینبؑ کی ولادت کی خبر پاتے ہی لوگ مبارکباد پیش کرنے کے لئے پیغمبرؐ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اصحاب اور خاندان بنی ہاشم کے لوگوں نے پیغمبرؐ کو مخلصانہ مبارکباد پیش کی اور پیغمبرؐ نہایت خوشی و مسرت کے عالم میں ہر ایک کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ اس نومولود بچی کے گہوارہ سے مشک و عنبر کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ اور اس کے چہرے سے بزرگوں کی عظمت و فضیلت کی جھلک ظاہر ہو رہی تھی۔

جی ہاں! حضرت زینبؑ کو بچپن ہی سے ان تمام باتوں کا بخوبی علم تھا کہ کربلا کے میدان میں بھائی حسین مظلومؑ کی شہادت کے بعد انہیں اہلبیتؑ کے لٹے ہوئے قافلے کی قافلہ سالاری اور یزیدی مظالم کے بوجھ تلے دبے ہوئے اسلام کی حفاظت و پاسداری کرنی ہے۔

روایات میں منقول ہے کہ حضرت زینبؑ کی ولادت کے موقع پر لوگوں کے درمیان یہ خبر بھی پھیل گئی تھی کہ واقعہ کربلا کے بعد جناب زینب کو کیسے دشوار اور جانگداز مراحل سے گزرنا ہے اور آنے والے وقت میں انھیں کیسے انسانیت سوز مصائب کا سامنا کرنا ہے۔

مورخین کے خیال کے مطابق واقعہ کربلا کے رونما ہونے سے پچاس سال قبل لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی کتاب سنن ابن حنبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے پیغمبرؐ کو کربلا کے میدان میں امام حسینؑ اور ان کے چاہنے والوں کی شہادت کے سلسلے میں لازمی اطلاعات فراہم کر دی تھیں۔ چنانچہ "ابن اثیر" نے اپنی کتاب "کامل" میں نقل کیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اسلام نے اپنی زوجہ "ام سلمہ" کو ایک مٹھی خاک دی جو انھیں جبرئیل نے دی تھی اور یہ کہا تھا کہ یہ اس مقدس جگہ کی مٹی ہے جہاں مستقبل قریب میں ان کے نواسے حسین کو شہید کیا جائے گا۔ پیغمبرؐ نے اس مٹی کو ام سلمہ کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ام سلمہ! دیکھو جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ ہمارا نواسہ حسین قتل ہو گیا ہے۔"

ام سلمہ نے اس مٹی کو ایک شیشی میں رکھ دیا۔ وہ ہر وقت اس شیشی کو اپنے پاس ہی رکھا کرتی تھیں چنانچہ جب حسینؑ مظلوم شہید ہوئے تو ام سلمہ نے دیکھا کہ وہ مٹی خون میں تبدیل ہو گئی ہے۔ انھیں فوراً ہی یہ معلوم ہو گیا کہ حسینؑ شہید ہو گئے لہٰذا انہوں نے لوگوں تک یہ خبر پہونچا دی کہ حسینؑ کو شہید کر دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ۶۰ھ کے واقعات کے ذیل میں مورخین لکھتے ہیں:

زہیر بن القین البجلی' جو عثمان کے طرفداروں میں تھے ۶۰ھ میں فریضہ حج بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد جب اس سرزمین سے باہر نکلے تو راستہ میں انھیں امام حسینؑ کا قافلہ دکھائی پڑا جو عراق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ زہیر بھی امام حسینؑ کے قافلے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے لیکن انہوں نے امام حسینؑ سے ملاقات نہیں کی۔ یہاں تک کہ امام مظلومؑ نے ایک دن انہیں اپنے پاس طلب کیا۔ تھوڑی دیر تک ان سے گفتگو کرتے رہے اور جب ان

سے اٹھے تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "تم لوگوں میں سے جو شخص میرے ساتھ آنا چاہتا ہو آجائے' ورنہ یہ سمجھ لو کہ یہ تم لوگوں سے میری آخری ملاقات ہے۔"

اس کے بعد زہیر نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے ایک پرانی داستان بیان کرنا شروع کی کہ ایک روز میں کچھ مسلمانوں کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہونے کے لئے نکلا' جنگ میں ہم لوگوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور ہمارے ساتھیوں کو بہت سا مال غنیمت بھی حاصل ہوا اور سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ ان لوگوں کے درمیان سلمان فارسی بھی موجود تھے انھوں نے ہم لوگوں سے بیان کیا کہ ایک دن حسینؑ دشمنوں کے خلاف جنگ کریں گے اور اس جنگ میں انھیں شہید کردیا جائے گا۔

اس کے بعد سلمان فارسی نے اپنے اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر اُس زمانے میں تمہیں حسینؑ مظلوم کے ساتھ رہ کر دشمنان اسلام کے خلاف جنگ کرنے کا موقع مل گیا تو تم لوگ آج سے کہیں زیادہ خوش ہوگے اور اس خوشی کے مقابلے میں جو آج مال غنیمت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے وہ خوشی اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ زہیر نے اپنے اصحاب سے سلمان فارسی کی اسی حدیث کا ذکر کرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو الوداع کہا اور اپنی زوجہ کو' محض اس خیال سے کہ ممکن ہے انھیں رنج و مصائب کا سامنا کرنا پڑے' طلاق دیکر قافلۂ حسینی میں شمولیت اختیار کرلی اور میدان کربلا میں دیگر اصحاب و انصار حسینؑ کے ساتھ وہ شہادت سے ہم آغوش ہوگئے۔

اس کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے کہ "حسینؑ مظلوم بچپن ہی سے اپنی شہادت اور کربلا کے میدان میں رونما ہونے والے حوادث سے بخوبی واقف و آگاہ تھے اور اسی طرح حضرت زینبؑ کی ولادت کے موقع پر لوگوں کے درمیان ان کی آئندہ زندگی کا ذکر عام تھا۔"

کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی' حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ حضرت زینبؑ کی ولادت کے سلسلے میں انھیں مبارکباد پیش کریں لیکن انھوں نے حضرت علیؑ کو رنجیدہ و غمگین حالت میں دیکھا۔ سلمان فارسی نے اس خوشی کے موقع پر مولا کی رنجیدگی کا سبب دریافت کیا تو حضرت علیؑ نے انھیں کربلا کے میدان میں حسینؑ کی شہادت کے بعد زینبؑ پر ڈھائے جانے والے مصائب سے آگاہ کیا اور اس کے بعد وہ بہت دیر تک گریہ کرتے رہے۔

☆ ☆ ☆

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تمام روایات کو جعلی' بناوٹی اور افسانہ نگاروں کی خودساختہ داستان کہا جاسکتا ہے؟

کیا مورخین نے ان روایتوں کا اپنی طرف سے اضافہ کردیا ہے اور یہ تمام تاریخی اسناد و مدارک' کرامات نگاروں کی ذہنی تخلیق ہوسکتی ہے؟

کیا یہ تمام باتیں محض داستان اور افسانہ کی حیثیت رکھتی ہیں جو فکر و خیال کی دنیا میں گم رہنے والے مصنفین نے یونہی بیان کردی ہیں؟

یہ روایات اتنی معتبر و مستند ہیں کہ مغربی محققین اور مشرقی علوم و معارف کے ماہرین نے بھی ان روایات کے بارے میں مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے اور رونالڈسن نے اپنی کتاب "عقیدۂ تشیع" اور "لامنس" نے اپنی کتاب "فاطمہ اور پیغمبرؐ کی دیگر بیٹیاں" میں ان روایات کو سند کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر مسلمان مورخین نے ان روایات کے صحیح ہونے میں کسی طرح شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے فقط معدودے چند افراد نے ہی ان میں سے بعض روایات کے بارے میں تشکیک و تردید ظاہر کی ہے۔ فقط عہد قدیم کے مورخین کی نظر میں ہی نہیں بلکہ عصر حاضر کے مصنفین نے بھی اپنی تصانیف میں قدیم مورخین کی روایت پر مکمل اعتماد و اعتبار کا اظہار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت زینب کی ولادت کے موقع پر اہلبیت نبوتؐ کے درمیان رنج و غم کا ماحول طاری تھا۔ مثلاً ایک ہندستانی مسلمان مصنف "محمد الحاج سالمین" اپنی گرانقدر کتاب "سیدہ زینب" کے پہلے باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آخر اس نو مولود کی ولادت کے موقع پر حاضرین اس قدر رنجیدہ و غمگین کیوں ہوگئے۔" اسی کتاب میں دوسری جگہ کربلا کے مصائب انگیز حوادث کے سلسلے میں کی جانے والی پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ بچی کی ولادت کی خبر سنتے ہی پیغمبر اکرمؐ گھر تشریف لائے اور غیر معمولی رنج و غم اور اشک

...لوں کے ساتھ نومولود بچی کی پیشانی کو بوسہ ...یونکہ ان کی نگاہوں میں کربلا کے وہ غم انگیز ...ر موجود تھے جن سے آنے والے وقت میں ...ضرت زینبؑ کو دوچار ہونا ہے۔

اس کے بعد سالکین یہ سوال کرتا ہے کہ ''ذرا ...ر و فکر سے کام لیتے ہوئے انصاف سے بتایئے کہ ...پیغمبر اکرمؐ نے علم غیب سے ان مناظر کو اپنی ...نگاہوں سے دیکھا ہوگا' جن میں ان کی اس نومولود ...ی پر رنج و مصائب ڈھائے جارہے تھے' تو ان پر کیا ...طاری ہوگی'

اور جس وقت اس نومولود نواسی کے چہرے پر ان مہلک مصائب کی جھلک دیکھتے ہوں گے جو واقعہ کربلا کے بعد ڈھائے جانے تھے تو ان پر کیسا غم طاری ہوا ہوگا؟!!

ممکن ہے کہ ہم ان باتوں کو جو اس دور میں حضرت زینبؑ کی ولادت کے موقع پر لوگوں کے درمیان موضوع بحث تھیں تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز کردیں لیکن واقعہ کربلا کے رونما ہونے کے بعد وہ سبھی غم انگیز حوادث آج بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں تو پھر ان حقیقتوں کی تردید کیسے ممکن ہے؟

اس جگہ اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زینبؑ کی ولادت سے قبل حضرت فاطمہ زہراؑ پر کبھی بھی غیرمعمولی گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اس سے قبل امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ولادت کے زمانہ میں ان پر یہ کیفیت کبھی نہیں طاری ہوئی لیکن والدہ گرامی حضرت خدیجہ (س) کی وفات کے بعد سے ان کی گھبراہٹ اور پریشانی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا کیونکہ اب گھر کی تمام ذمہ داریاں فاطمہؑ کے کندھوں پر تھیں اگرچہ پیغمبر اکرمؐ حضرت عائشہ کے ساتھ شادی کرچکے تھے لیکن سوتیلی ماں اور بیٹی کے درمیان فکری ہم آہنگی نہیں پائی جاتی تھی۔

بہر حال زینبؑ اپنے جد بزرگوار حضرت محمدؐ کی خصوصی توجہ اور گھر والوں کی غیر معمولی محبت کے

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کسی دوسری لڑکی کو کمسنی کے زمانہ میں ایسے مایۂ ناز استاد ملے ہوں جیسے حضرت زینبؑ کو ملے تھے چنانچہ انہوں نے اس صورتحال کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔

سایہ میں آہستہ آہستہ پروان چڑھنے لگیں۔ انہوں نے زندگی کے ابتدائی علوم اپنی والدہ گرامی حضرت زہراؑ کی آغوش تربیت میں حاصل کئے اور بچپن گزرنے کے بعد انہوں نے دنیائے بشریت کے نامور اور عدیم المثال اساتذہ مثلاً جد بزرگوار حضرت محمدؐ اور والد محترم حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں جملہ علوم و معارف میں درجہ کمال حاصل کرنا شروع کردیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کسی دوسری لڑکی کو اس کمسنی کے زمانہ میں ایسے مایۂ ناز استاد ملے ہوں جیسے حضرت زینبؑ کو ملے تھے چنانچہ انہوں نے اس صورتحال کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ منقول ہے کہ ایک دن حضرت زینبؑ اپنے والد حضرت علیؑ کی خدمت میں قرآنی آیات کی تلاوت کررہی تھیں' تلاوت کے بعد حضرت زینبؑ نے بعض آیات کی تفسیر کے بارے میں کچھ سوالات پوچھے۔ حضرت علیؑ نے ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ان آیات کی مکمل تفسیر بیان کردی اور حضرت زینبؑ اپنی غیر معمولی سوجھ بوجھ کی وجہ سے فوراً سمجھ گئیں کہ آنے والے وقت میں انہیں اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا ہے کیونکہ ان آیات میں ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ اس وقت حیران رہ گئے جب حضرت زینبؑ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ فرمایا کہ:

''باباجان! میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں۔ والدہ گرامی مجھے اس سلسلے میں سب کچھ بتاچکی ہیں تاکہ میں آنے والے وقت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہوں۔''

جی ہاں! حضرت زینبؑ کو بچپن ہی سے ان تمام باتوں کا بخوبی علم تھا کہ کربلا کے میدان میں بھائی حسین مظلومؑ کی شہادت کے بعد انہیں اہلبیتؑ کے لئے ہوئے قافلے کی قافلہ سالاری اور یزیدی مظالم کے بوجھ تلے دبے ہوئے اسلام کی حفاظت و پاسداری کرنی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مصائب وآلام کے سمندر کو پار کرتے ہوئے انہوں نے پوری دنیائے بشریت پر یہ واضح کردیا کہ شہادت حسینؑ کے بعد اسلام کی نابودی کا جشن منانے والے درحقیقت اپنے مقصد میں پوری طرح ناکام رہ گئے اور امام حسینؑ وحضرت زینبؑ کی قربانیوں کے سایہ میں اسلام آج بھی زندہ و سربلند ہے۔

☆ ☆ ☆

امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی

از: محمد حسن رجبی

ایران کے سیاسی حالات ۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

راہ اسلام کے گزشتہ شمارے میں امام خمینیؒ کے بچپن اور ان کے ابتدائی دور میں ملک میں رونما ہونے والے ایسے سیاسی اور سماجی حوادث کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا چکا ہے جن کا امام خمینیؒ کی زندگی سے گہرا رابطہ رہا ہے یا جو امام خمینیؒ کی زندگی اور ان کے انقلابی ذہن کو متاثر کرتے رہے ہیں۔ درحقیقت اس زمانے میں ایران برطانوی سامراج کے چنگل میں گرفتار تھا اور حکومت ملک وملت کے مفاد ومصالح کے بجائے برطانوی مفاد ومصالح کی حفاظت میں سرگرم تھی۔ رضا خان اسلامی قدروں کی پامالی میں لگا ہوا تھا اور مذہبی علماء کے اختیارات کو مسجد کی چہار دیواری میں محدود کیا جا چکا تھا اور بالعموم یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی تھی کہ مذہب اسلام کا سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آیت اللہ مدرس نے اس اسلام دشمن پروپگنڈے کی بھرپور مخالفت کی اور ایرانی عوام میں سیاسی بیداری کی ترویج کرنی چاہی لیکن دیگر علماء نے ان کے ساتھ بھرپور تعاون نہ کیا۔ لیکن رضا خاں کی ظالمانہ راہ وروش اور اسلام دشمنی بہرحال رنگ لائی اور وہ وقت بھی آگیا کہ اُسے ایران چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ایران سے رضا خاں کے فرار کے بعد جو حالات رونما ہوئے اور جو سیاسی کھیل کھیلے گئے اس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

ایران سے رضاخان کے فرار کے بعد پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایرانی عوام کے لیے ظالم وجلاد صفت بادشاہ کا زوال ایک بڑی بات تھی اگرچہ ظلم واستبداد کی جڑیں اپنی جگہ پر موجود تھیں البتہ اس کا ظاہری رنگ وروپ مندمل ہو گیا تھا اور ایران کا وہی حال تھا جو ۱۸۷۰ء میں نپولین سوم کے زوال کے بعد جرمنی کا ہوا تھا۔ دونوں صورتحال میں ظالم حکمرانوں کے زوال کے بعد ملک کے اقتدار کی باگ ڈور بیگانہ طاقتوں کے ہاتھ میں چلی گئی لیکن دونوں کے عوام محض اس لئے خوش تھے کہ انہیں ظالم حکمراں کے شر سے نجات حاصل ہو گئی۔ اس خوشی کا یہ عالم تھا کہ ان لوگوں نے دوسری غاصب طاقت کی موجودگی کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ایک لمبی مدت تک اس غاصبانہ طاقت کے خلاف کوئی آواز بھی نہ ابھری۔

ملک کے نئے وزیر اعظم محمد علی فروغی نے بالکل اسی طرح جیسے سولہ سال قبل اپنی مخصوص تقریر کے ذریعہ رضاخان کی حکومت کو سرکاری حیثیت سے تسلیم کروانے میں کلیدی کردار انجام دیا تھا اس بار پھر اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور امریکہ، برطانیہ اور سوویت یونین کے خفیہ معاہدہ اور محمد رضا کی حکومت کے سلسلے میں ان تینوں ملکوں کی موافقت ورضامندی کے ساتھ محمد علی فروغی نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں رضاخان کا استعفیٰ پڑھ کر سنایا اور اس کے فوراً بعد نئے بادشاہ محمد رضا کی داخلی سیاست کا اجمالی خاکہ خود اس کی زبان میں پیش کر دیا۔ محمد علی فروغی نے اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ نیا بادشاہ ملک کے آئین کے مطابق حکومت کرے گا۔ اور سابقہ حکومت کے دوران کئے گئے مظالم کے سلسلے میں لازمی تحقیق کی جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی

اعلان کیا گیا کہ ایرانی عوام اپنے لباس کے انتخاب اور اپنے مذہبی فرائض کو انجام دینے کے لئے پوری طرح آزاد ہو گئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ سابقہ حکومت کے دوران ظلم کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ اور مجرموں کو مناسب سزا دی جائے گی۔۳

رضا خاں کی غلامی میں لگے ہوئے افسران، منتخب کردہ سفارشی اراکین پارلیمنٹ ؟ اور برطانیہ کے مقرر کردہ اعلیٰ ایرانی حکام دیکھتے ہی دیکھتے آزادی طلب اور انقلابی بن گئے اور سابقہ دور حکومت کے ظالمانہ کارناموں کی مذمت کرتے ہوئے نئے بادشاہ اور فروغی حکومت کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگے۔ اس مکروفریب کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ نئی حکومت ایرانی عوام کے غیظ وغضب سے محفوظ رہے، نئی حکومت کو عوام کا اعتماد حاصل ہو جائے اور سابقہ شاہی نظام حکومت پوری طرح درہم برہم نہ ہونے پائے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ مذہبی اجتماعات اور دوسری تمام تقریبات کے سلسلے میں پوری چھوٹ دے دی گئی۔ اخبار اور کتابوں کی اشاعت پر لگائی گئی پابندی ختم کر دی گئی اور ایرانی عوام کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی حاصل ہو گئی۔ لوگ اپنے گھروں اور عمومی جلسوں کے درمیان اپنے نظریات کا اعلان کر سکتے تھے۔ اور اب انہیں اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ کوئی ان کے خلاف جاسوسی کر رہا ہوگا۔ ایرانی خواتین اسلامی حجاب کے ساتھ شہر کی سڑکوں اور بازاروں میں آنے جانے کے لئے پوری طرح آزاد تھیں۔ سابقہ حکومت کے دوران شاہ اور اس کے افسروں نے جن کسانوں اور زمینداروں کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، وہ عدالت کے سامنے لازمی اسناد ومدارک پیش کر کے اپنی زمین دوبارہ حاصل کر سکتے تھے۔ بعض وہ افراد جن پر زیادہ مظالم کئے گئے تھے یا جن کے رشتہ داروں کو قید خانہ میں قتل کر دیا گیا تھا، وہ مجرم افسروں کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے لئے آزاد ہو گئے۔ سابقہ دور حکومت کے کچھ شناختہ شدہ قاتلوں مثلاً قید خانہ میں قیدیوں کو زہریلے انجکشن کے ذریعہ ہلاک کرنے والے ڈاکٹر احمدی جیسے لوگوں

ان حوادث کی طرف اجمالی توجہ کے ذریعہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ امام خمینیؒ نے اپنے بیانات میں ان شرمناک اور مہلک واقعات کی طرف جو اشارے کئے ہیں ان سے آپ بھی حضرات بخوبی واقف وآگاہ رہیں۔

کے خلاف اعلانیہ مقدمہ چلایا گیا اور انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔ اسی طرح سابقہ حکومت کے پولیس چیف مختاری کو بھی گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسے قید خانہ سے رہا کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں خود محمد رضا شاہ نے مداخلت کی اور اپنے ذاتی بجٹ سے اس کے لئے وظیفہ بھی مقرر کیا۔۵ مختصر یہ کہ معدودے چند افراد کے علاوہ سابقہ حکومت کے ظالم افسروں کے خلاف کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا اور انہیں کسی طرح کی کوئی سزا نہ دی گئی بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی دولت وثروت اور خصوصی اختیار و اقتدار کے مالک بنے رہے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ہی اپنا چہرہ بدل لیا اور موجودہ حکومت میں بھی خصوصی عہدہ ومقام کے دعویدار ہو گئے ظاہر ہے کہ ظالموں کی حمایت وطرفداری سے عوام ہرگز راضی نہ تھے لیکن اس کٹھ پتلی حکومت سے اور کیا امید کی جا سکتی تھی۔ در حقیقت اگر عوام میں پھیلی ہوئی ناراضگی اور ان کے غم وغصہ کو کم کرنا مقصود نہ ہوتا تو دو تین ظالموں کے خلاف بھی کوئی عدالتی کارروائی نہ کی گئی ہوتی، ورنہ اگر ظالموں اور قاتلوں کے خلاف واقعاً کوئی عدالتی اقدام مقصود ہوتا تو سب سے پہلے رضا خاں کے خلاف مقدمہ قائم کر کے اسے عبرت انگیز سزا دی جانی چاہئے تھی۔ اس کے بعد ظالم، خائن وزیروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو ان کی حقانیت اور مجرمانہ حرکتوں کے لئے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہئے تھا۔ اور اس کے بعد فوج، پولیس اور انتظامیہ کے دیگر اعلیٰ افسروں کو ان کی مجرمانہ حرکتوں کی سزا دی جانی چاہئے تھی لیکن یہ کام فقط اب تک انصاف پسند انقلابی حکومت سے ہی متوقع تھا۔ آخر بڑی طاقتوں کی حمایت وسرپرستی کے سایہ میں برسر اقتدار آنے والی حکومت سے یہ امید کیسے کی جا سکتی تھی کیونکہ اس کا اصل مقصد تو سابقہ حکومت کی کرتوتوں پر پردہ ڈالنا تھا۔۶

در حقیقت ہمارا مقصد محض اس کے دور کے سیاسی حالات وواقعات کا تذکرہ وتجزیہ نہیں ہے بلکہ ان حوادث کی طرف اجمالی توجہ کے ذریعہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ امام خمینیؒ نے اپنے بیانات میں ان شرمناک اور مہلک واقعات کی طرف جو اشارے کئے ہیں ان سے آپ بھی حضرات بخوبی واقف وآگاہ رہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ فروغی کی حکومت کا مقصد عوام کو وقتی اور ظاہری آزادی فراہم کر کے ملک میں شاہی نظام حکومت کے خلاف رونما ہونے والے سیاسی، سماجی اور عوامی انقلاب کی روک تھام کرنا تھا۔ اسی وجہ سے رضا خان کے زوال کے بعد حکومت ایران نے برطانوی سامراج کے خلاف سرگرم مجاہد مذہبی رہنما آیت اللہ کاشانی کو گرفتار کر لیا تھا اور انہیں ۲۸ مہینوں تک قید خانہ میں اس بنیاد پر بند رکھا کہ وہ جرمنی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور حقیقت آیت اللہ کاشانی کی گرفتاری کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ ملک میں رونما ہونے والی سیاسی صورتحال کو سامراج دشمن اغراض ومقاصد کے لئے استعمال نہ کر سکیں۔ لیکن جیسا کہ امید کی جاتی تھی کہ رضاخاں کے زوال کے ابتدائی ایام سے لے کر ۲۸ مرداد ۱۳۳۲ھ ش کی فوجی بغاوت تک ۱۲ سال کی مدت کے دوران مختلف سیاسی پارٹیاں اور گروہ وجماعت ابھر کر سامنے آئیں۔ ان پارٹیوں کے اغراض ومقاصد میں اختلاف پایا جاتا تھا کیونکہ ان میں سے زیادہ تر کسی نہ کسی خارجی طاقت سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر وابستہ تھیں۔ بالکل اسی طرح ملک میں مختلف افکار وعقائد کی ترجمانی کرنے والے اخبارات اور سیاسی وتنقیدی رسالوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ حکومت کے مقابلے میں موجودہ حکومت کی طرف سے فراہم کی گئی آزادی اور رضاخاں کے زوال کی وجہ سے ملک میں سیاسی آگہی وبیداری کی فضا ہموار ہو گئی اور اسی سیاسی بیداری کے ذریعہ آنے والے وقت میں قومی اور سامراج مخالف تحریکوں کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا کیونکہ بین الاقوامی سیاسی ماحول بھی ان تحریکوں کی ترقی کے لئے بہت مناسب تھا لیکن ان قومی تحریکوں کی شروعات ان کی ترقی اور ان کے آخری انجام کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایران کے سیاسی اور اقتصادی حالات کا اجمالی خاکہ بھی پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہو کہ اس وقت ایرانی عوام کیسے سیاسی اور اقتصادی حالات سے دوچار تھے۔

محمد علی فروغی نے اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ نیا بادشاہ ملک کے آئین کے مطابق حکومت کرے گا۔ اور سابقہ حکومت کے دوران کئے گئے مظالم کے سلسلے میں لازمی تحقیق کی جائے گی۔

ایران میں اتحادی گروہ کی آمد کی وجہ سے اس ملک کو ناپسندیدہ اقتصادی نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اتحادی جماعت کو ایران میں خوردنی اشیاء، ایندھن، سڑک، ریلوے لائن اور مخابراتی وابلاغی وسائل کی سخت ضرورت تھی تاکہ لازمی جنگی وسائل اور دیگر امدادی اشیاء کو ایران کے راستہ روسی محاذ کی پشت تک آسانی سے پہونچا سکیں۔ اسی وجہ سے اس اتحادی جماعت میں شامل حکومتوں نے ایران کو عملی طور پر اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ وہ ان اقتصادی منابع وماخذ کو ان کے حوالے کر دے۔ اس اقدام کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ایرانی روپیہ کی قیمت میں غیر معمولی کمی آگئی اور اس کے مقابلے میں برطانوی اور روسی روپیہ کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ پہلے ہی مرحلہ میں ایرانی روپیہ کی قیمت سو فیصد سے زیادہ کم ہو گئی یعنی زرمبادلہ قانون کے مطابق ایک اسٹرلنگ کی قیمت ۶۸ ریال سے بڑھ کر ۱۴۰ ہو گئی۔ اس بھاری کمی کی وجہ سے اتحادی گروہ کو آدھی قیمت پر سارا سامان اور ملازمین ملنے لگے اور جنگ کے خاتمہ کے بعد ان لوگوں نے دوگنی قیمت پر اپنا سامان ایران کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ملکی روپیہ کی قیمت میں کمی کی وجہ سے ایران کی برآمداتی آمدنی اور درآمداتی ادائگی کے درمیان کوئی توازن باقی نہ رہ گیا اور ملک میں گرانی بڑھتی چلی گئی اور اس طرح ایران کے غریب ومفلس عوام اور زیادہ غریب وفقیر ہوتے چلے گئے۔ ملک میں کرنسی کی فراہمی میں چار گنا اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے مہنگائی اور بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ الگ الگ باہمی معاہدوں کے بموجب برطانیہ کو بیچے گئے تجارتی مال کی ۶۰ فیصد اور روس کو فراہم کئے تجارتی مال کی سو فیصد رقم کی ادائگی جنگ کے خاتمہ تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔ اس وقت کم شدہ زرمبادلہ قیمت کے مطابق ریال کے بدلہ میں سونا دیا جاتا تھا۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء کے دوران قومی سطح پر فہرست قیمت ۱۰۰ سے ۷۶۱ پوائنٹ ہو گئی اور آئندہ بارہ سال کے دوران ان قیمتوں میں دس گنا اضافہ ہو گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایرانی کسانوں کی طرف سے پیدا کی جانے والی چیزوں کی بازار میں کوئی قیمت نہیں رہ گئی تھی جس کی وجہ سے کسانوں نے کھیتی کرنا کسی حد تک ترک کر دیا تھا۔ لہذا ایران کے بازاروں میں غذائی اشیاء ناپید ہو چکی تھیں اور شہروں میں بھوک اور قحط کا ماحول دکھائی دے رہا تھا چنانچہ نامناسب اور نہ کھانے لائق روٹیوں کی خریداری کے لئے لمبی لمبی

...ہاروں کا منظر آج بھی کچھ لوگوں کو ضرور یاد ہوگا۔۱۱
مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایرانی عوام کے درمیان ناراضگی اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور جدید ترین اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے والی خبروں نیز بعض اراکین پارلیمنٹ کے حقیقی بیانوں کی وجہ سے ایرانی عوام کے درمیان قدرے سیاسی بیداری نظر آ رہی تھی۔ یہ اراکین پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً اپنے مخلصانہ بیانات کے ذریعہ لوگوں کو برطانوی سامراج کے شرمناک مقاصد اور اس کی کرتوتوں سے باخبر رکھتے تھے اور ایرانی عوام کی یہ سیاسی بیداری آنے والے وقت میں ایران میں رونما ہونے والی ایک قومی تحریک کا بنیادی سبب بنی۔

ایرانی پارلیمنٹ کے سولھویں دور کے لئے ہونے والا عام چناؤ نسبتاً آزاد ماحول میں انجام پذیر ہوا تھا جس کی وجہ سے پارلیمنٹ میں کچھ ایسے افراد بھی پہونچ گئے جو ایرانی عوام کے حقیقی نمائندے تھے اور پارلیمنٹ میں قومی اور عمومی مفاد و مصالح کے علاوہ دوسری کسی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان حقیقی عوامی نمائندوں میں آیت اللہ کاشانی اور ڈاکٹر محمد صادق کا نام سرفہرست تھا۔ آیت اللہ کاشانی انقلاب اسلامی عراق کی راہ میں اہم اور نمایاں کردار والے نامور مذہبی رہنماؤں میں سے ایک تھے اور اس انقلاب کی ناکامی کے چنگل سے جان بچا کر ایران چلے آئے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں رضا خان کے زوال کے بعد سے لیکر ۱۹۴۹ء تک انہوں نے ایرانی عوام کے درمیان اپنی انقلابی اور مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء کے پارلیمانی چناؤ کے دوران وہ پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوگئے۔ اس مدت کے دوران انہیں کئی مرتبہ گرفتاری، قید بامشقت اور جلاوطنی کی سزا بھی بھگتنی پڑی اور جس وقت وہ تہران سے ممبر پارلیمنٹ چنے گئے اس وقت وہ لبنان میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور اس چناؤ کے بعد ایرانی حکومت انہیں دوبارہ ایران واپس بلانے کے لئے مجبور ہوگئی چنانچہ ایرانی عوام نے تہران میں ان کا شاندار اور یادگاری استقبال کیا اور انہوں نے دوبارہ اپنی انقلابی سرگرمیاں شروع کردیں۔۱۲ ان کے علاوہ ڈاکٹر مصدق بھی ایران کی نامور سیاسی شخصیت تھے جو رضا خان کے اقتدار کے ابتدائی دور میں اس کے نزدیکی

مشاورین میں شامل تھے لیکن کچھ ہی دنوں میں انہوں نے رضا خان سے علحدگی اختیار کرلی اور آیت اللہ مدرس کے ساتھ مل کر شاہی حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف پوری پوری طرح سرگرم عمل ہوگئے اور اسی وجہ سے رضا خان کے غیظ و غضب کا نشانہ بن گئے۔ اگرچہ ڈاکٹر مصدق یورپ کے فارغ التحصیل تھے لیکن وہ قومی روایات اور ثقافتی قدروں کے زبردست پیرو تھے اور اسی وجہ سے انہیں ایرانی عوام کے درمیان بڑی مقبولیت حاصل تھی اور لوگ انہیں غیر معمولی قدر و احترام کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ایرانی پارلیمنٹ کے سولھویں دور کی شروعات کے چند مہینوں کے بعد ڈاکٹر مصدق "تیل کمیشن" (Iranian Oil Commission) کے چیرمین ہوگئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد انہوں نے تیل کو قومی ملکیت بنانے کا منصوبہ (Oil Nationalisation Plan) پیش کردیا۔ اس سے قبل چودھویں پارلیمنٹ کے دور میں وہ یہ قانون پاس کروا چکے تھے کہ ایرانی حکومت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کسی غیر ملکی کمپنی یا ادارہ کو تیل کی صنعت کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی رعایت دے سکے۔۱۳ کیونکہ ڈاکٹر مصدق کا یہ خیال تھا کہ "ایران برطانیہ تیل کمپنی" درحقیقت سامراجیت کا مظہر تھی۔۱۴ لہٰذا جب تک ایران میں کسی مخصوص حکومتی اور غیر ملکی کمپنی کو تیل کی تجارت کے سلسلے میں امتیازی اور خصوصی اختیارات حاصل رہیں گے تب تک اس ملک کی آزادی و استقلال کے لئے خطرہ بنا رہے گا اور ایران کی داخلہ سیاست پر غیر ملکی طاقتوں کا اثر و رسوخ قائم رہے گا۔ واضح رہے کہ ایران۔ برطانیہ تیل کمپنی کی موجودگی برطانیہ کے لئے بنیادی مفاد کی حامل تھی۔ ایران کے سیاسی و اقتصادیاتی ڈھانچے کی تشکیل میں اس کا اہم کردار ہوا کرتا تھا اور ایران کے خارجی و داخلی سیاسی روابط کی تشکیل میں بھی اس کمپنی کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اسی کمپنی کے ذریعہ برطانیہ داخلی اور خارجی امور میں بھرپور مداخلت کیا کرتا تھا۔ اگر ایران کو حقیقی آزادی و خود مختاری کی تڑپ تھی تو اسے بہر حال اس غیر ملکی اثر و رسوخ سے نجات حاصل کرنی تھی۔۱۵

تیل کی تجارت کی قومیت کے اس منصوبے کی حمایت میں آیت اللہ کاشانی نے ایک مفصل اور موثر بیان جاری کرتے ہوئے اس سلسلے میں کی جانے

والی جد و جہد کو "ملت اسلامیہ ایران کا مذہبی اور قومی فریضہ" قرار دیا[۱۶] آیت اللہ کاشانی کے اس بیان کی پرزور حمایت میں دیگر مذہبی علماء اور مراجع تقلید نے بھی علیحدہ فتوے جاری کیے[۱۷] اور بقول خانم لمتون علماء و مذہبی رہنماؤں کی اس بھرپور تائید وحمایت کی وجہ سے ہی اس تحریک کو عوامی مقبولیت و غیر معمولی وسعت حاصل ہو گئی۔[۱۸]

بہر حال ایرانی پارلیمنٹ نے تیل کو قومی سرمایہ قرار دینے والے اس منصوبے کو منظوری دیدی اور اسی کے ساتھ ساتھ جلاد صفت فوجی افسر رزم آرا کو ایران کا وزیر اعظم بھی کر دیا گیا۔ اس سے قبل رزم آرا ایرانی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ اس کی حتی الامکان کوشش تھی کہ یہ منصوبہ پارلیمنٹ سے منظور نہ ہونے پائے بلکہ اس کی جگہ "معاہدہ گس گلشائیان" کو مجلس کی تائید حاصل ہو جائے لیکن آیت اللہ کاشانی نے رزم آرا کے خلاف ایک اعلانیہ بیان جاری کرتے ہوئے اس کو خارجی طاقتوں کا ایجنٹ قرار دیا[۱۹] چنانچہ فدائیان اسلام نے رزم آرا کو قتل کر دیا اور اس طرح منصوبہ تیل کی منظوری کی راہ میں موجود آخری رکاوٹ بھی ختم ہو گئی اور اسی سال رزم آرا کے قتل کے آٹھویں دن پارلیمنٹ اور سینیٹ دونوں نے اس منصوبے کو منظوری دیدی اور اس تیل کی تجارت کو قومی ملکیت قرار دے دیا گیا اور ایرانی عوام کو ایک بڑی سیاسی کامیابی حاصل ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

در حقیقت اگر عوام میں پھیلی ہوئی ناراضگی اور ان کے غم وغصہ کو کم کرنا مقصود نہ ہوتا تو دو تین ظالموں کے خلاف بھی کوئی عدالتی کارروائی نہ کی گئی ہوتی۔

حوالے:

۱۔ محمد علی کاتوزیان ‛اقتصاد سیاسی ایران و سلطنت محمد رضا شاہ‛ تہران و پیرس۔ ص۔۱۱

۲۔ حسین دوست ظہور و سقوط سلطنت پہلوی جلد ۱ ص ۱۰۲ و ۱۰۳

۳۔ ظہور و سقوط جلد ۲ ص ۳۸

۴۔ گزشتہ چراغ راہ آئندہ ص ۸۴ و ۸۵

۵۔ مقالات تقی زادہ جلد ۵

۶۔ محمد علی کاتوزیان ‛اقتصاد سیاسی ایران۔ ص۔ ۱۱ و ۱۳

۷۔ اس دور میں بعض افراد کی نظر میں عمومی تصفیہ و پاکسازی لازمی نہ تھی چنانچہ عدم تصفیہ عمومی کو ایرانی عوام کی کینہ پروری سے تعبیر کیا جاتا ہے جو قطعی درست نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل ایران میں کوئی حقیقی قومی حکومت تشکیل نہیں ہوئی تھی اسی وجہ سے اس دور کے ظالموں اور خیانت کاروں کے خلاف کوئی اہم اور موثر قدم نہیں اٹھایا گیا تھا لیکن اسلامی انقلاب کی کامیابی اور ایران میں اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد انقلابی عدالتوں کا قیام عمل میں آیا اور سابقہ حکومت کے ظالموں کو لازمی سزائیں دی گئیں اور ایرانی عوام نے اس کا بھرپور استقبال بھی کیا۔

۸۔ روحانیت و نہضت ملی شدن صنعت نفت، ص۔ ۶

۹۔ احسان طبری "کژراہہ"۔ حسین فردوست ص ۱۴۳ تا ۱۴۳

۱۰۔ عبدالرحیم ذاکر حسین "مطبوعات سیاسی در عصر مشروطیت" ص۔ ۱۷۳

۱۱۔ محمد علی کاتوزیان ص۔ ۱۲ تا ۱۳

۱۲۔ آیت اللہ کاشانی کی حیات اور کارناموں کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے رجوع کیجئے "روحانیت شدن صنعت نفت۔

۱۳۔ آیت اللہ کاشانی کی حیات اور کارناموں کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے رجوع کیجئے "روحانیت شدن صنعت نفت۔

۱۴۔ رونالڈ فری: اختلافات ایران و انگلیس۔ ص ۴۹۷

۱۵۔ محمد علی کاتوزیان۔ ص ۳۲

۱۶۔ روحانیت و نہضت ملی شدن صنعت نفت ص۔ ۵۴۔۵۵

۱۷۔ آیت اللہ کاشانی کی حمایت میں فتوے صادر کرنے والوں میں آیت اللہ خوانساری‛ آیت اللہ گلپائی‛ آیت اللہ محلاتی اور آیت اللہ شاہرودی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں رجوع کیجئے روحانیت و نہضت ملی شدن صنعت نفت۔ ص ۵۶ تا ۵۹

۱۸۔ ان کا بیان ہے کہ جب تک مذہبی علماء نے اصلاحی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ تحریک کی حمایت نہیں کی تھی اس کو عوامی مقبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ "بحوالہ رونالڈ فری "اختلافات ایران و انگلیس۔

۱۹۔ روحانیت و ملی شدن صنعت نفت ص۔ ۱۱

☆ ☆ ☆

رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کا اہم پیغام

جلاد صفت طالبان کے ہاتھوں مظلوم و بے گناہ افغانستان کے قتل عام کے سلسلے میں

میں تمام اسلامی حکومتوں' عالم اسلام کے ذمہ دار اور فرض شناس عالموں اور امت مسلمہ کے درد مند اور آزاد منش لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ افغانستان کے ہزارہ و دیگر مظلوم عوام کی مدد کو پہنچیں۔ میں پاکستان کے صاحب ایمان عوام سے بھی کہ جن کی فوج کا ایک حصہ' تیل کمپنیوں کے ٹکڑوں پر پلنے کی غرض سے' بامیان کی بے گناہ عورتوں' مردوں اور معصوم بچوں پر بم برسا رہا ہے' مدد کی درخواست کرتا ہوں' آپ سب' افغانستان کے لاکھوں مظلوموں کو' ظالم طالبان کے فتنہ وفساد کا شکار نہ ہونے دیں۔

مظلوم اور خون میں ڈوبے ہوئے افغانستان سے جو لرزہ براندام کردینے والی درد انگیز خبریں موصول ہو رہی ہیں وہ ہر غیرت دار مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام آزاد منش لوگوں کو رنجیدہ و غمگین کردینے کے لئے کافی ہیں اور ان پر ایک عظیم ذمہ داری بھی عائد کرتی ہیں' کچھ ہی عرصہ قبل شہر مزار شریف میں ظالم وسنگدل طالبان نے جو مظالم ڈھائے یعنی جس طرح اس گروہ نے وسیع پیمانے پر عام شہریوں کا قتل عام کیا اور پاک و پاکیزہ اور مومن ایرانی نوجوانوں کو جو اپنی سفارتی و صحافتی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مصروف تھے' شہید کیا وہ بذات خود ایک ایسا المیہ ہے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی اور جس پر تمام اسلامی حکومتوں اور قوموں کو اس متعصب ' اسلام کی نورانی تعلیمات سے بے بہرہ اور دنیا کے قوانین سے بے خبر گروہ کے خلاف نہایت سنجیدگی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونا چاہئے تھا۔ اس وقت افغانستان کے مرکز اور صوبہ بامیان کے ہزارہ علاقے میں جس چیز کا آغاز ہوا ہے' وہ موصولہ اطلاعات کے مطابق' اس گروہ کے گزشتہ وحشیانہ و انسانیت سوز مظالم سے کئی گنا زیادہ ہولناک ہے۔

یہ حقیقی معنوں میں ایسے عوام کا قتل ہے جنہوں نے غربت وافلاس ' محرومیت اور طویل محاصرے کے باوجود شجاعت و بہادری کے ساتھ اپنی عزت وشرافت کا کامیاب دفاع کیا' یہ ایسے لوگوں کا قتل عام ہے جنہوں نے سابق روسی قبضے کے دوران نہایت استقامت وثابت قدمی کا ثبوت دیا اور افغانستان کی نجات و آزادی کی راہ میں بہت سے شہداء کے خون کا نذرانہ بھی پیش کیا۔

آج اس علاقے کے باشندوں کو سامراج غلام سیاہ طالبان کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کے جرم میں قتل و غارتگری اور قید و اسارت کا شکار بنایا جارہا ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ طالبان کے لیڈروں نے ان کے خون کو جائز اور سات سال سے بڑے ہر بچے' کو واجب القتل قرار دے دیا ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ پاکستانی فوج کے طیارے بھی علاقہ بامیان کے حالیہ قتل عام اور اس صوبے کی بربادی میں شریک رہے ہیں۔

آخر ان مظلوم عوام کے سلسلے میں اس قسم کی درندگی اور خونخواری کس جرم کی بنا پر ہے؟ کیا ان کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے افغانستان کی آزادی کی راہ میں جانفشانی کی؟ کیا ان کا جرم یہ ہے کہ وہ امریکی تیل

اور گیس کی کمپنیوں کی سازش کے سامنے جو پاکستانی فوج کے بعض اعلیٰ عہدیداروں کی مدد سے طالبان کے فتنے کی شکل وصورت میں ظاہر ہوئی' سر نہیں جھکایا؟ کیا اس علاقے کے لوگوں کے ساتھ اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کی ولایت کی رسّی تھامنے کے جرم میں ایسا سلوک کیا گیا ہے؟ کیا مذہبی و نسلی تعصبات نے 'پاک طینت ہزارہ عوام کے سلسلے میں اس قسم کی درندگی وبربریت کو حلال قرار دے دیا ہے؟ اس وقت ملت ایران مزار شریف میں اپنے نوجوانوں کی مظلومانہ شہادت کا عظیم داغ سہنے' اپنے ملک کی مشرقی

پلنے کی غرض سے 'بامیان کی بے گناہ عورتوں' مردوں اور معصوم بچوں پر بم برسا رہا ہے' مدد کی درخواست کرتا ہوں' آپ سب' افغانستان کے لاکھوں مظلوموں کو' ظالم طالبان کے فتنہ وفساد کا شکار نہ ہونے دیں۔ آپ اس بات کی اجازت نہ دیں کہ اس بے رحم' سنگدل اور فکری جمود کے شکار گروہ کی بربریت پسند "مذہبی جنگ" افغانستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے دیگر علاقوں میں جڑ پکڑے۔ اس بات کی بھی اجازت نہ دیں کہ پاکستانی فوج کا وہ گروہ جو علاقے میں بدامنی کا بیج بو رہا ہے' تشدد کا سلسلہ جاری رکھے۔ امریکی تیل کی

اور المناک واقعات نہ دہرانے اور اپنی گزشتہ خطاؤں کی تلافی کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور میں افغانستان کی ہزارہ قوم اور دیگر افغانی اقوام کے بہادر اور مظلوم نوجوانوں کی خدمت میں اپنے احساسات کو ان الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ:

عزیزان گرامی! میں غم واندوہ میں ڈوبی اشکبار آنکھوں کے ساتھ ان تلخ حوادث اور سخت آزمائشوں کا دل کی گہرائیوں سے جائزہ لے رہا ہوں' جن سے اس وقت آپ کو سامنا ہے اور آپ کے گہرے رنج وغم کو اپنے پورے وجود کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں۔

اس وقت ملت ایران مزار شریف میں اپنے نوجوانوں کی مظلومانہ شہادت کا عظیم داغ سہنے' اپنے ملک کی مشرقی سرحدوں کی سلامتی خطرے میں پڑنے اور بامیان ومزار شریف کے مظلوم عوام کے ناحق بہنے والے خون کی وجہ سے سراپا درد وغم بن چکی ہے اور بڑی بے صبری کے ساتھ ملکی حکام کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہے۔

سرحدوں کی سلامتی خطرے میں پڑنے اور بامیان ومزار شریف کے مظلوم عوام کے ناحق بہنے والے خون کی وجہ سے سراپا درد وغم بن چکی ہے اور بڑی بے صبری کے ساتھ ملکی حکام کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہے۔

میں تمام اسلامی حکومتوں' عالم اسلام کے ذمہ دار اور فرض شناس عالموں اور امت مسلمہ کے درد مند اور آزاد منش لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ افغانستان کے ہزارہ و دیگر مظلوم عوام کی مدد کو پہنچیں۔ میں پاکستان کے صاحب ایمان عوام سے بھی کہ جن کی فوج کا ایک حصہ' تیل کمپنیوں کے ٹکڑوں پر

کمپنیوں کو' دسیوں ہزارہ مسلمانوں کی لاش پر' افغانستان اور وسطی ایشیا میں ان کے انسانیت دشمن مفادات نہ حاصل کرنے دیں۔

میں نے اللہ کی مدد اور ملکی حکام کے تعاون اور خلوص ہمدلی سے' ابھی تک اس علاقے میں جنگ کی آگ کو بھڑکنے سے کہ جسے بآسانی بجھایا نہیں جاسکتا' روک رکھا ہے۔ لیکن ہر ایک کو سمجھ لینا چاہئے کہ خطرہ بہت بڑا ہمہ گیر نوعیت کا ہے اور کافی نزدیک آچکا ہے اور اس سے اسی وقت بچا جاسکتا ہے کہ جب پاکستانی فوج کو افغانستان میں مداخلت نہ کرنے اور طالبان گروہ کو عقل سلیم کے تقاضوں کو تسلیم کرنے

آپ خدائے عظیم پر توکل کریں اور اسی سے مدد مانگیں اور درندہ خصلت افراد کے مقابل شجاعت و بہادری کے ساتھ استقامت کا ثبوت دیں اور وعدہ الٰہی کے پورا ہونے کی امید رکھیں کہ سیجعل اللہ بعد عسر یسرا' انشاء اللہ' اللہ کی مدد سے اپنے کینہ پرور دشمن پر آپ غالب آئیں گے اور اپنی استقامت وشجاعت کے ذریعے کہ جس سے سب واقف ہیں' خدائے بے خبر دشمن کو پوری طرح شکست دے دیں گے۔ فرج اللہ عنکم وعنا بمحمد و آلہ

☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلامی کانفرنس تنظیم کے عہدیداروں سے

رہبر انقلاب اسلامی

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کا

خطاب

برادران عزیز! میں ایک حکومتی عہدیدار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دینی طالب علم اور عالم دین کے عنوان سے اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات نے اور مختلف ممالک کی تنظیموں اور اداروں نے تبلیغ و ترویج اسلام کے سلسلے میں جو زحمتیں اٹھائیں ہیں وہ قابل تحسین ہیں اور یقیناً تبلیغ دین کی راہ میں کی جانے والی صادقانہ اور مخلصانہ کوششوں کی قدردانی خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ ہم بھی ایک ضعیف اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے تبلیغ اسلام کی راہ میں آپ کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اولاً تو اسلام کی دعوت کا فریضہ جو شخص بھی انجام دیتا ہے اس کے لئے وہ باعث فخر ہے ہم سب پر خداوند تعالیٰ کا یہ احسان ہوگا کہ ہم اس کی طرف لوگوں کی ہدایت کر سکیں اور جو لوگ دینی حقائق سے آگاہ نہیں ہیں ان کے سامنے ان کی وضاحت کر سکیں۔

سب سے پہلا داعی الی اللہ خود خدا ہے" واللہ یدعوا الی دار السلام" اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہلے مبلغ دین ہیں۔

ہم سب کے لئے باعث فخر یہ ہے کہ وہ کام کریں جس کا خداوند تعالیٰ نے اپنے بہترین بندے اور برگزیدہ ترین پیغمبر کو حکم دیا ہے" ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن" اسلام نے دعوت کی برکت سے ہی عالم وجود کے ایک عظیم حصے کو مسخر کر لیا۔

ہمارے پاس جہاد کا راستہ بھی ہے اور شمشیر کا بھی لیکن شمشیر کا راستہ وہاں اپنایا جاتا ہے جہاں رکاوٹ دور کرنا مقصود ہو تا کہ دلوں پر دعوت کا اثر ہو سکے۔ اس عظیم ایران میں جس چیز نے اسلام کو لوگوں کے دلوں کی گہرائی تک پہنچایا ہے وہ مجاہدوں کی تلوار نہیں تھی۔ مجاہدین کی تلوار نے صرف اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا بلکہ مومن و مخلص افراد کے قول و فعل کے لحاظ سے یہ دعوت ہی تھی کہ جس نے لوگوں پر اثر کیا۔ مخلص افراد نے اپنے عمل کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ "کونوا دعاۃ الناس بغیر السنتکم"۔

بہر حال انہوں نے اس طرح سے عمل کر دکھایا اور آپ آج کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی دیکھ رہے ہیں کہ ان اسلامی ملکوں ایشیا، اور افریقہ اور براعظم ایشیا کے دور دراز ترین علاقوں میں رہنے والوں کے دلوں میں اسلام نفوذ کر چکا ہے۔ حتیٰ کہ کمیونسٹ حکومت نے ۷۰ سال تک اسلامی اور دینی بنیادوں کے خلاف کام کیا لیکن جوں ہی اس حکومت کا شیرازہ بکھرا آپ نے دیکھا کہ قفقاز اور وسطی ایشیا میں لوگوں نے کس طرح اپنے اسلامی جذبے کا ثبوت دیا اور یہ بات دعوت اسلامی کی طاقت، الٰہی و اسلامی بنیادوں کی قوت اور دلوں کو تسخیر کرنے اور لوگوں کی روح و جان میں اترنے کے سلسلے میں قرآن کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔

عزیز بھائیو! ان میدانوں میں ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے، قرآن ہمارے پاس موجود ہے، سنت پیغمبر اور اہل بیت کی روش ہمارے سامنے ہے، اسلام کے نورانی احکام ہمارے ہاتھ میں ہیں، بلند الٰہی و اسلامی معارف ہمارے پاس ہیں اور آج بھی دنیا ان معارف کی محتاج ہے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جس طرح کمیونسٹوں کے الحادی نظریات ایک طویل مدت تک کے لئے دنیا میں اسلامی معارف کو محدود نہ کر سکے، اسی طرح مغرب کے موجودہ نظریات بھی کہ جو ایک اور انداز اور راستے سے زندگی کے بہت سے میدانوں میں اسلامی احکام اور معارف کے مدمقابل ہیں، اسلامی احکام و معارف کی شیرینی اور مٹھاس کو کم نہیں کر سکیں گے۔ آج بشریت اسلام کی پیاسی ہے۔ بعض صاحبان نظر کی اس بات کی میں بھی تائید کرتا ہوں کہ آئندہ صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ ہمارے تجربات

اور عالمی میدان پر ہماری نظر اسی بات کی تائید کرتی ہے بشرطیکہ ہم جو داعیان اسلام میں سے ہیں' اپنی ذمہ داریوں پر عمل کریں۔ اگر ہم اپنی ذمہ داریوں پر عمل کریں گے تو راہ ہموار اور فضا سازگار ہے۔ اسلامی تعلیمات میں دل کی گہرائیوں میں اتر جانے اور پوری دنیا میں پھیل جانے کی صلاحیت موجود ہے۔

جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ دعوت حق اور تبلیغ اسلام کا ہر زمانے کے لحاظ سے اپنا تقاضا ہوتا ہے اس تقاضے کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اپنے مخاطب کی شناخت کی ضرورت ہے اور مخاطب کے ساتھ مناسب طرز و انداز گفتگو کو تلاش کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک آپ برادران اور تبلیغ اسلام کے ذمہ داروں کے لئے جو بات ہم آہنگی کا محور قرار پانی چاہئے وہ یہ کہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ دنیا میں تبلیغ کا وسیلہ کیا ہونا چاہئے' کس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور ہمیں لوگوں کے مسائل اور انسانوں کی مشکلات کو کس عینک سے اور کن شرائط کے ساتھ دیکھنا ہوگا تاکہ ان کے سامنے اسلام کو صحیح طریقے سے پیش کر سکیں۔

میری نظر میں آج اسلام کے بارے میں دو قسم کے رجحانات اور نظریات موجود ہیں اور دونوں خطرناک اور مخالف اسلام ہیں۔ ایک رجحان وہ ہے کہ جس کی رو سے اسلام کو چند عبادات یا زیادہ سے زیادہ ذاتی احوال تک محدود اور زندگی کے اہم ترین میدانوں کو اسلام کی دسترس سے دور سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے تحت اسلام کا سیاست' اقتصادی و سماجی تعلقات اور دوسرے اہم کاموں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلام صرف دل میں موجود عقیدے اور ایک انفرادی عمل کا نام ہے یا زیادہ سے زیادہ گھر کے ماحول اور خاندانی تعلقات تک محدود ہے۔ اس قسم کا اسلام وہ اسلام نہیں ہے جس کی آج دنیا پیاسی ہے' دراصل یہ صلاحیت فقط اسلام ہی میں پائی جاتی ہے۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ نے مدینہ پہنچ کر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی اور آپؐ خود اس حکومت کے سربراہ رہے۔ اگر اسلامی اقتدار کے علاوہ ملک اور معاشرہ کے سیاسی مسائل کو مدنظر رکھے بغیر اسلام کو فروغ حاصل ہو سکتا تھا تو حضورؐ حکومت ان ہی لوگوں کے سپرد کر دیتے جو اس کی لالچ رکھتے تھے اور آپؐ صرف تبلیغ دین کے عمل میں مشغول ہو جاتے اور کسی طریقے سے احکام بیان کرتے رہتے یا لوگوں کو نصیحت فرماتے رہتے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسلامی نظام قائم کیا۔

اسلام کے مطابق عمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں' صرف دل یا انفرادی اور ذاتی افعال اور چھوٹے اور پست معاملات پر اسے لاگو کرنا کافی نہیں ہے — یہ نظریہ ایک غلط نظریہ ہے۔

اسلامی مسائل کے سلسلے میں ایک اور طرز فکر بھی موجود ہے جبکہ میری نظر میں یہ بھی اتنی ہی غلط ہے جتنا کہ پہلے دو نظریات' یعنی بعض لوگ زندگی کے مختلف مسائل کے سلسلے میں جب اسلام کا نظریہ بیان کرنا چاہتے ہیں تو اسلام کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے متن اسلام اور قرآن کریم اور حقیقت اسلام کی طرف رجوع کرنے کے بجائے دنیا میں رائج باتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس چیز کو آج مغربی تہذیب و ثقافت اپنے ہمہ گیر تسلط کی وجہ سے دنیا کے بہت سے علاقوں میں قطعی حیثیت دے چکی ہے اسی کی اسلام کے نام پر تکرار کرتے ہیں۔ آج مغربی تہذیب و ثقافت نے جو باتیں شروع کر رکھی ہیں وہ کوئی نئی نہیں ہیں گزشتہ دو صدیوں سے دنیا میں ان ہی باتوں کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ البتہ مغربی ممالک تمدن اور مادی ترقی کے اعتبار سے اچھے راستوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ دولت و ثروت کی کثرت' علم و دانش کی ترقی اور مختلف ایجادات یقیناً یہ سب چیزیں ان مثبت پہلوؤں کا نتیجہ ہیں جو ان کی سوچ میں موجود تھے یا ان خصوصیات کا نتیجہ ہیں کہ جو مخصوص علاقے کی وجہ سے ان سے مربوط ہیں۔

یہ قوم علاقائی اعتبار سے بعض ایسی خصوصیات کی مالک ہے جو ترقی و پیشرفت کا باعث بنتی ہیں لیکن مغربی ممالک اپنی ثقافت اور تمدن کے زیر سایہ آج انسان ہونے کے اعتبار سے سعادت مند نہیں ہیں۔ ان میں روحانی اطمینان موجود نہیں ہے' سماجی انصاف موجود نہیں ہے۔ مغربی تمدن میں انسان اور انسانیت کے احوال کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اہل یورپ نے اسی تمدن کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی جنگیں شروع کرائی ہیں۔ اہل مغرب نے اسی تمدن کے ساتھ اور اسی تمدن کے ذریعہ دنیا میں سب سے بڑی قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل دنیا کے ایک عیسائی ادارے نے یہ اعداد و شمار دیئے ہیں۔ عیسائیت کے تمام ادوار کی نسبت حالیہ صدی میں عیسائیوں کو سب سے زیادہ قتل کیا گیا ہے اور یہ چیز ان اعداد و شمار میں سے ہے جو گزشتہ ہفتے ہی دنیا میں منظر عام پر لائے گئے ہیں۔ میری یہ خواہش تھی کہ اعداد و شمار دینے والے سے سوال کروں کہ ان عیسائیوں کو کس نے قتل کیا ہے؟ کیا مسلمانوں نے انہیں قتل کیا؟ کیا بدھ مت کے پیروکاروں نے انہیں قتل کیا ہے یا خود عیسائیوں نے انہیں قتل کیا ہے؟ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں پوری دنیا کے لوگوں کو کس نے قتل کیا تھا؟ یہ خود عیسائی ہی تھے جنہوں نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اس کے ساتھ ان ہی افراد نے بہت سے غیر عیسائیوں اور غیر

باشندوں کو بھی نابود کر دیا۔ اسی مغربی ثقافت نے تقریباً ڈیڑھ سو سال تک دنیا پر استعمار کو مسلط کئے رکھا ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے ممالک یا شائد تمام ممالک بہر حال افریقہ کے بارے میں کم از کم کہا جا سکتا ہے کہ افریقہ کے تقریباً تمام ممالک میں کئی کروڑ انسان مسلسل کئی برس تک استعمار کے زیر تسلط تکالیف برداشت کرتے رہے اور دکھ اٹھاتے رہے۔ آپ اسی برصغیر میں دیکھ لیں برطانیہ نے کیا کیا؟ شمالی افریقہ میں دیکھ لیں فرانسیسیوں نے کیا کیا؟ مشرقی ایشیاء کے دور دراز علاقوں میں ہالینڈ، پرتگال، بیلجیم اور برطانیہ کا کردار کیا رہا؟ لوگوں کے ساتھ انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ اور ان ہی کے ہاتھوں انہیں کونسا دن دیکھنا پڑا؟

ایران ایک ایسا ملک ہے جو کبھی بھی براہ راست استعمار کے زیر تسلط نہیں رہا لیکن پھر بھی آپ دیکھ لیں کہ مغربی حکومتوں کے اثر و نفوذ نے ایران میں کیا کیا؟ ہمیں سو سال پیچھے دھکیل دیا۔ ایک روز ہم دنیا میں علم کے پیشرووں میں سے تھے۔ ایرانی علم اور فکر و دانش دنیا میں پیش قدم تھی۔ جب قوموں کی نشو نما کا وقت آیا تو اہل یورپ نے ہی خود ہمارے ملک میں موجود آمروں کی مدد سے ہمیں پیچھے دھکیل دیا اور ہم کاروان تمدن سے سو سال پیچھے رہ گئے۔ ایران میں انتہائی ظلم کیا گیا اور حد سے زیادہ امتیازی سلوک کیا گیا۔ آپ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے اپنے ملک میں اپنی قوم پر اثر انداز ہونے والے مغربی تمدن کے نقصانات نہ دیکھے ہوں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو نقصانات خود مغربی اقوام نے اپنے اس تمدن سے اٹھائے ہیں وہ ان نقصانات سے کم نہیں ہیں کہ جو دوسری اقوام نے اٹھائے ہیں۔ آج مغرب اور یورپ میں خاص کر امریکہ اور شمالی یورپ میں خاندانی بنیادوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ آج نوجوانوں کو آرام و سکون حاصل نہیں ہے۔ مغربی تمدن کے زیر سایہ نوجوان نسل حیرت و پریشانی، اضطراب و سرگردانی اور عدم اطمینان کا شکار ہے۔ یہی وہ تمدن ہے جو مغرب نے انسانوں کو دیا ہے۔ ہم اسلام کے سلسلے میں زیادہ تر سوال و جواب کا سامنا ان ہی علاقوں میں کر رہے ہیں مثلاً امریکہ، یورپ اور دوسرے علاقوں میں جہاں پر کہ مغربی تہذیب اثر کر چکا ہے۔ ہمارے مبلغین موجود ہیں اور جہاں تک ان میں قوت و توانائی موجود ہے وہ لوگوں کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں۔ یقیناً آپ نے بھی اس سلسلے میں خبریں سنی ہوں گی۔

پس آج دنیا حقیقی اسلام کی طلبگار ہے۔ ہمیں لوگوں کے لئے اسلامی احکام بیان کرنے کے لئے خود اسلام کی اصطلاحات سے استفادہ کرنا چاہئے۔ ہمیں مغربی ثقافت کی اصطلاحات استعمال نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ وہ پورے طور پر اسلامی معانی کو بیان نہیں کرتی ہیں۔ یہ تعصب کی بات نہیں ہے، میں مغربی ثقافت کے سلسلے میں متعصب رویہ نہیں رکھنا چاہتا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم ثقافتوں کے تبادلے کے قائل ہیں۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مختلف کلچر ایک دوسرے سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے مختلف ثقافتوں سے استفادہ کیا ہے۔ دور اول میں اسلام نے بھی روم اور ایران کی ثقافت سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور آج بھی ہم مختلف ثقافتوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ لیکن جس چیز سے آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں وہ مغربی ثقافت کے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہے۔ میں اس کی روک تھام کرنا چاہتا ہوں اور آپ سب اس چیز سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، میں اس چیز سے خبردار کرنا چاہتا ہوں، ہمیں چاہئے کہ اسلامی ثقافت کا احیاء کریں۔ آج جبکہ خاص کر اسلامی بیداری پیدا ہو چکی ہے بالخصوص اسلامی ثقافت کے خلاف ایک بھرپور یلغار جاری ہے، اسلامی حکومتیں خود مختاری کا احساس کر رہی ہیں۔ اسلامی ممالک عزت و وقار کا احساس کر رہے ہیں۔ ہم تمام عالم اسلام میں دیکھ رہے ہیں کہ قوموں میں بھی، اور حکومتوں میں بھی تمام دنیا پر اقتدار اور سلطنت کے دعویداروں کی اطاعت کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ آج قوموں اور حکومتوں میں خود مختاری کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے، قومیں اور حکومتیں اب بیدار ہو چکی ہیں۔ خود ہم نے ایران میں بھی ان تمام قوموں کو نفی میں جواب دیدیا ہے جو ہمیں تسلط پسندانہ نگاہ سے دیکھنا چاہتی تھیں اور ہم اپنے اس عمل پر خوش بھی ہیں اور راضی بھی اور اس سلسلے میں ہمیں کسی مشکل کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔ البتہ ہمیں ملک میں کچھ مشکلات کا سامنا ضرور رہے

یہ ایک حقیقی یلغار ہے۔ آج وہ دن ہے کہ دعوت اسلامی کے ذمہ دار آپ افراد ایک جوابی حملہ شروع کر سکتے ہیں۔ ان باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والے سبھی افراد اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حملہ کرنا بہترین دفاع ہے لہٰذا آپ جوابی حملہ شروع کر دیں۔ ضروری نہیں کہ جوابی حملہ ہمیشہ منفی پہلوؤں کا حامل ہو بلکہ مثبت پہلو منفی پہلوؤں سے زیادہ ہیں۔

لیکن یہ مشکلات خود ہماری کمزوریوں کا نتیجہ ہیں۔ دشمن ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکا ہے البتہ واضح سی بات ہے کہ دشمن ہمارے کاموں کی رفتار کو سست ضرور کر دیتا ہے اور مشکلات کھڑی کر دیتا ہے لیکن یہ تمام مشکلات دور کی جا سکتی ہیں۔ یہ کوئی بڑی مشکلات نہیں ہیں' اس سے بڑھ کر اور کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ ایک قوم ثقافتی اعتبار سے اغیار کی ثقافت کے ہاتھوں مغلوب ہو جائے۔ ہمیں عالم اسلام کو اس مشکل سے نجات دلانی چاہیے۔

برادران عزیز! یورپ نے اپنے کئی عشروں اور امریکہ نے بھی آخری چند دہائیوں کے تسلط کے دوران اس بات کی کوشش کی ہے کہ اسلامی ممالک میں اسلامی ثقافت کے بجائے اپنی ثقافت کو مسلط کر دیں اور تمام پہلوؤں سے انہوں نے اپنی ثقافت کو مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک حقیقی یلغار ہے۔ آج وہ دن ہے کہ دعوت اسلامی کے ذمہ دار آپ افراد ایک جوابی حملہ شروع کر سکتے ہیں۔ ان باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والے سبھی افراد اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حملہ کرنا بہترین دفاع ہے لہذا آپ جوابی حملہ شروع کر دیں۔ ضروری نہیں کہ جوابی حملہ ہمیشہ منفی پہلوؤں کا حامل ہو بلکہ مثبت پہلو منفی پہلوؤں سے زیادہ ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ لوگوں کے سامنے اسلام کی خوبیوں' اسلام کے حقائق' اسلامی توحید کو بیان کریں' نبوت اور اسلامی انصاف کے اعلیٰ معانی اور اسلام کی نظر میں حکومت اور انسان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

یہ تمام مکاتب فکر جو کہ انسان کی حمایت کا دعویٰ کرتے ہیں' ان میں سے کس مکتب نے انسان کے بارے میں اس طرح کی بات کی ہے: "من اجل ذالک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکأنما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکأنما احی الناس جمیعا۔" کس نے آج تک انسان کے بارے میں اس طرح کی بات کی ہے؟ اسلام کے علاوہ کس مکتب فکر نے انسانوں کی نابودی کے بارے میں اس عظمت و بزرگی کے ساتھ بات کی ہے؟ انسان اس چیز کو پسند کرتے ہیں۔ آج کا انسان بڑی عالمی طاقتوں کی آمریت اور مطلق العنانیت کا اسیر ہے۔ آپ دیکھیں کہ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فلسطینی گھر کے کچھ غاصبوں اور کچھ جارحین کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے ہیں اور سب سے زیادہ مغلوبیت یہ ہے کہ ان میں اپنی بات کہنے تک کی بھی جرأت نہیں ہے۔ انہیں اپنا حق طلب کرنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ ہے سب سے بڑا ظلم جو آج کسی قوم پر کیا جا رہا ہے۔ یہ ظلم کون کر رہا ہے؟ یہ ظلم' وہی یورپ اور امریکہ میں انسان اور انسانیت کی حمایت کرنے والے کر رہے ہیں! اسرائیل تو خود اپنی ذات میں کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اسرائیل ایسی کمپنی کی مانند ہے جو مغربی دنیا یورپ اور امریکہ میں بسنے والے بعض افراد کے حصہ وتعاون سے بنی ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھر سے نکال باہر کیا ہے۔ آج انسان کی حمایت او آزادی کے دعویداروں کی طرف سے انسانیت پر اتنا بڑا ظلم کیا جا رہا ہے۔ لہذا یہ لوگ جو آزادی کی بات کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ ہاں البتہ مغرب میں نفسانی خواہشات' انفرادی سرگرمیوں کی آزادی حتیٰ کہ انسانوں پر ظلم کی حد تک ضرور موجود ہے۔ آج امریکہ میں جو آزادی ہے وہ کیا ہے؟ یعنی ایک شخص اپنے مفادات کی خاطر کسی پر ظلم کر سکتا ہے اور دبا ڈال سکتا ہے البتہ اس قانون کے دائرہ کار میں جس کو ان ہی افراد نے لکھا ہے وہ اس قسم کی آزادی کو قبول کرتے ہیں لیکن استکباری طاقتوں کے استحصال سے قوموں کی آزادی کے ہرگز خواہاں نہیں ہیں اور اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ آپ دیکھیں آج دنیا میں فلسطینی عوام کے دفاع کی بات بہت سے افراد کے لئے ایک وحشتناک بات ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ فلسطینی عوام فلسطین کے اصل مالک ہیں تو ایسا ظاہر کیا جاتا ہے جیسے دنیا میں کسی نے کوئی بہت بڑی غلط بات کہہ دی ہو۔ آپ دیکھیں کہ اس اعتبار سے کتنا برا ماحول بن چکا ہے۔ جس دنیا میں اس قسم کی ثقافت کی بالادستی ہو گیا اس میں اس سے بڑا بھی کوئی دوسرا ظلم ہو سکتا ہے۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ظلم نہیں ہو سکتا۔ یہ انسانیت پر ظلم ہے' آج قومیں اسلام کی پیاسی ہیں کیونکہ اسلام عدل وانصاف کا طرفدار ہے۔ لیقوم الناس بالقسط۔ انبیاء کی بعثت' آسمانی کتابوں کے نزول وغیرہ کا مقصد عدل قائم کرنا' انسانیت کا حق ادا کرنا اور بشریت کا دفاع کرنا ہے۔ اسلام اسی کا نام ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اور دنیا کے تمام انسان اسی اسلام کے پیاسے ہیں۔ اس بات کو پوری دنیا تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آج جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے والے ہیں وہ تشہیراتی وسائل سے استفادہ کر رہے ہیں۔ فن' فلم' ناول' کتاب اور دوسری تحریروں کے ذریعے اسلام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ تاریخ لکھ رہے ہیں۔ دائرۃ المعارف مرتب کر رہے ہیں۔ اگرچہ دائرۃ المعارف کا تقاضا یہ ہے کہ لکھنے والا سیاسی' اقتصادی اور فکری و علمی مطالب لکھتے وقت غیر جانبدار ہو لیکن وہ اپنی دائرۃ المعارف میں اسلام' مسلمین' تاریخ اسلام اور اسلامی حقائق کے خلاف مواد شامل کرتے ہیں یعنی اسلام کے خلاف اپنے تمام تر ذرائع کو بروئے کار لا رہے ہیں اور اپنے باطل نظام کی حمایت کر رہے ہیں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے تمام تر ذرائع' خاص کر فن کے ذریعے' اپنے حق کا دفاع کیجئے۔ عالم اسلام میں بہت سے اہل فن موجود ہیں۔ وہ مسئلہ فلسطین کو جس طرح سے ضروری ہے' اس طرح

سے اپنے فن کے قالب میں کیوں نہیں ڈھالتے؟ اسلامی ممالک پر اغیار کے سو سالہ یا ڈیڑھ سو سالہ تسلط کو فن کے قالب میں کیوں نہیں بیان کرتے؟ اسے ماضی کی داستان نہ کہیے۔ یہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ماضی کو فراموش کر دیا جائے۔ آخر وہ کیوں صلیبی جنگوں کو وہ نہیں بھلاتے؟ وہ صلاح الدین ایوبی کو کیوں فراموش نہیں کرتے؟ وہ لوگ شیعہ' سنی اختلافات پیدا کرنے کے لئے معمولی سے موقع کو بھی ہاتھ سے کیوں نہیں جانے دیتے؟ وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ماضی کو بھول جائیں؟

دراصل جس ماضی کو بھلا دینا چاہئے وہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات سے متعلق ماضی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اختلافات کو طاق نسیاں میں رکھیں۔ جو ماضی میں ان کے پاس تھا۔ آج اسے گوشۂ نسیاں میں پھینک دینا چاہئے۔ آج مسلمانوں کو اغیار کے سامنے آپس میں ید واحدہ بننا چاہئے۔ یہ ہیں وہ باتیں جنہیں بھلا دینا چاہئے۔ لیکن ان کارروائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جو دشمن نے اس عظیم امت کے خلاف انجام دی ہیں۔ انہیں کیوں بھلانا چاہئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

ہمیں چاہئے کہ یہ حقیقت آج کی نسل کے سامنے کھل کر بیان کریں۔ دنیا والوں کے ساتھ بھی لین دین رکھنا چاہئے' ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ان کے ساتھ لین دین نہ رکھیں۔ ہمارا تعلق ایسے ملک سے ہے جو اصولوں کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ ہمارا دنیا بھر سے رابطہ ہے' صرف دو ملکوں سے ہمارا رابطہ نہیں ہے' ایک اسرائیل ہے اور دوسری امریکی حکومت ہے' وہ بھی' ہمارے خلاف اس کی معاندانہ کارروائیوں کی وجہ سے جو آج بھی جاری ہیں اور ہمارے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے پس پردہ تسلط کے عزائم رکھتی ہے۔ ہم یہ بات سمجھتے ہیں اور اس کی شناخت بھی رکھتے ہیں' ہمارا پوری دنیا کے ساتھ لین دین ہے۔

لہٰذا ان لوگوں کو سمجھنا تعلقات قائم کرنے کے مسئلے کے منافی نہیں ہے جنہوں نے ماضی کی تاریخ میں ہمارے اوپر منفی اثرات مرتب کئے ہیں' انسان آپس میں تعلقات بھی قائم رکھ سکتے ہیں۔

جو آخری نکتہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ہے اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد و یکجہتی کا تحفظ۔ یہ اسلامی کانفرنس اسلامی ممالک کے درمیان تنازعات کے حل یا کم از کم ان میں کمی پیدا کرنے کے لئے نہایت موزوں پلیٹ فارم ہے۔

اسلامی کانفرنس کے ایک سرگرم رکن ہونے کی حیثیت سے ہمیں خوشی ہے' چونکہ آج اس کانفرنس کی سربراہی ایران کے ذمے ہے لہٰذا ہم اس ذمہ داری کا احساس زیادہ رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تنازعات حل ہو جائیں اور ہمیں معلوم ہے کہ اسلامی ممالک کے درمیان زیادہ تر تنازعات سطحی قسم کے ہیں جو غلط فہمی کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں اسلامی ممالک میں مسلسل اختلافات پیدا کرنے کے درپے رہتی ہیں۔ ہم نے دو ہمسایہ ممالک' دور دراز علاقوں میں واقع دو ممالک' عرب اور غیر عرب ممالک' خود عرب ممالک اور غیر عرب ممالک کے درمیان وحدت و یکجہتی قائم کرنے کے لئے اچھے اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلے میں الحمد للہ اہم قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ آج برادر اسلامی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات پر ہم مطمئن ہیں جن کو الحمد للہ فروغ اور استحکام حاصل ہو رہا ہے۔ یہ معاملہ عالم اسلام کے لئے بھی برکتوں کی نوید سنا سکتا ہے۔

حال ہی میں ہمارے اور سعودی عرب کے درمیان قائم ہونے والے مستحکم اور دوستانہ تعلقات یقیناً اسلامی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں موثر اور مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ امید ہے کہ عالم اسلام کے ممالک کے درمیان اس قسم کے تعلقات مزید مستحکم ہو جائیں گے۔

عزیز بھائیو! میری خواہش ہے کہ عالم اسلام کو ایک امت کی نظر سے دیکھیں ہم ایک ہی امت ہیں ایرانی' عرب' پاکستانی یا ہندستانی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں' ہم سب امت مسلمہ کے افراد ہیں ہم ایک ہی امت اور ایک ہی معاشرہ ہیں۔ اس نگاہ سے عالم اسلام کو دیکھئے اور عالم اسلام کے لئے سعی و کوشش اور محنت کیجئے' خدا بھی آپ کے ساتھ ہے اور انشاء اللہ وہ آپ کی مدد کرے گا۔ فضا بھی ایسی ہے جو سازگار ہے انشاء اللہ امید ہے کہ مستقبل قریب میں ان مفاہمتوں مذاکروں اور اجلاسوں کے اثرات کا ہم اپنی زندگی میں ہی عالم اسلام اور اپنے اپنے ممالک میں نزدیک سے مشاہدہ کریں گے۔

اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اگر کوئی بھائی کچھ کہنا چاہیں تو کہیں میں (سننے کے) انتظار میں ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

امام خمینیؒ کے افکار و عقائد کی روشنی میں

وحدت واتحاد

از حجت الاسلام سید احمد خمینی (طاب ثراہ)

امام خمینیؒ باطل طاقتوں کے خلاف کی جانے والی اپنی جدوجہد میں بھی لوگوں کو وحدت واتحاد کی دعوت دیا کرتے تھے چنانچہ پچاس سال قبل انہوں نے اپنے تاریخی اور سب سے پہلے اہم بیان کی ابتداء قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ سے کی تھی۔ "قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى" اپنے اس اہم بیان میں انہوں نے امت اسلامیہ کی وحدت کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ الٰہی انقلاب کی کامیابی کے لئے امت اسلامیہ کے درمیان وحدت واتحاد کا عملی وجود لازمی ہے۔

اپنی گرانقدر کتاب "سر الصلوۃ" میں "علماء کے معنوی مقامات ومدارج" کے ذیل میں پہلے تین مراتب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ چوتھا اصحاب تحقق واکمل اولیاء کا ہے جو تحقق حالت میں اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ "قاب قوسین" کی کثرت ان کے درمیان سے اٹھ جاتی ہے جو اپنی ذاتی شناخت کو جماعت کی ذاتی شناخت میں ضم کردیتے ہیں ہمیشہ باقی رہنے والے نور میں گم ہوجاتے ہیں 'انفرادیت میں مضمحل اور غیب ہویت میں فنا ہوجاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصحاب صحو بعد المحو کو غیب شہادت سے کوئی حجاب نہیں ہوا کرتا بلکہ خود ان کا وجود حقانی وجود ہوتا ہے اور وہ دنیا کو حقانی وجود کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور "مَارَاَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَرَاَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ وَمَعَهُ" یعنی وہ لوگ ہر چیز سے پہلے اس کے بعد اور اس کے ساتھ جلوہ خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تمام ذاتی واسمائی تجلیات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہا کرتیں۔

عوام الناس کے استفادہ کے لئے لکھی گئی اپنی گرانقدر کتاب "شرح چہل حدیث" میں وحدت کلمہ کے تاریخی واخلاقی مفہوم وماہیت کا ذکر کرتے ہوئے امام خمینیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ الٰہی شریعتیں اور عظیم الشان انبیاء کرامؑ، عظیم مقاصد کے حامل رہے ہیں۔ ان کی ذات عظیم مقاصد کی تکمیل وترقی کا باعث اور مدینہ فاضلہ کی تشکیل میں ممد ومعاون رہی ہے لیکن ان کی بعثت کا ایک اہم مقصد توحید کلمہ وتوحید عقیدہ، اہم مسائل ومعاملات میں اجماع اور اہل ظلم کی ظالمانہ راہ وروش کی روک تھام رہا ہے تاکہ انسانی سماج کو مختلف النوع مفاسد سے محفوظ رکھتے ہوئے مدینہ فاضلہ کو خرابی وبربادی سے بچایا جاسکے۔ لیکن اجتماعی اور انفرادی اصلاح پر مشتمل اس مقصد عظیم میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب افراد اور قوموں پر وحدت واتحاد سایہ فگن ہو۔ ان کے درمیان الفت واخوت، قلبی صداقت اور ظاہری وباطنی پاکیزگی موجود ہو اور معاشرہ کے افراد آپس میں اس طرح متحد ہوجائیں کہ آدم کی اولاد سے بھری ہوئی دنیائے آدمیت ایک جسد واحد کی شکل اختیار کرلے اور تمام افراد اس جسد واحد کے اعضاء کی حیثیت سے کام کرنے لگیں اور ساری کوششوں کو ایک عظیم الٰہی اور عقلی مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جائے جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مفاد ومصالح محفوظ ہیں۔ اگر کسی ایک گروہ یا جماعت کے درمیان ایسی محبت واخوت پیدا ہوگئی تو وہ جماعت دوسری تمام جماعتوں پر یقیناً غلبہ وفضیلت حاصل کرلے گی۔ چنانچہ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جنگوں میں مجاہدین اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا راز ان کے درمیان موجود یہی مثالی وحدت واتحاد رہا ہے۔ مسلمانوں سے اسی بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی، میل جول اور حسن اخلاق، محبت، اخوت اور برادری وبھائی چارگی سے کام لیں اور یہ ایک واضح

...بلتہ ہے کہ جن چیزوں سے وحدت واتحاد کے ...ی وملہوم کی تقویت ہوتی ہے وہ یقیناً مرغوب پسندیدہ ہیں اور جو چیزیں اس میل جول اور بھائی چارہ ...توڑ کر معاشرہ میں تفرقہ واختلاف کا باعث ہیں وہ ...یقیناً صاحب شریعت کے نزدیک غضب کا باعث اور اس ...کے عظیم مقصد کی مخالف ہیں اور کھلی ہوئی حقیقت ...ہے کہ معاشرہ میں ان تفرقہ انگیز مفاسد کی ترویج ...اشاعت بغض وحسد وکینہ وعداوت کا باعث ہوں گی اور معاشرہ میں فساد کی جڑیں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائیں گی اور لوگوں کے درمیان نفاق کا بول بالا ہو جائے گا۔ فقط یہی نہیں بلکہ معاشرہ میں وحدت واتحاد کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا اور آخر کار دین کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی۔

امام خمینیؒ وحدت کو خداوند عالم کی پہلی اور سب سے بڑی رحمت اور ابتدائی برکت الٰہی سے تعبیر کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ رحمت وبرکت خداوندی کے بغیر وحدت حاصل نہ ہو گی چنانچہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس بات کی بھرپور کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے درمیان خداوند عالم کی اس رحمت ونعمت کو دوام حاصل رہے اور اس کوشش کی پہلی منزل یہ ہے کہ ہم لوگ الٰہی ہو جائیں' راہ خدا میں ہر خدمت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہیں اور اپنے آپ کو خداوند عالم کا مطیع وفرمانبردار بنالیں خود کو اس سے وابستہ اور اسی کی بارگاہ عالیہ میں پلٹ کر جانے والا سمجھتے رہیں۔ اگر ہم لوگ اس ابتدائی منزل پر ثابت قدم رہیں تو دوسرا مرحلہ یعنی مرحلہ' وحدت واتحاد خود بخود طے ہو جائے گا کیونکہ تفرقہ واختلاف شیطان کا کام ہے اور وحدت واتحاد کا تعلق رحمن سے ہے۔

امام خمینیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"اگر جملہ انبیاء ایک وقت میں ایک جگہ پر جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہو گا کیونکہ وہ لوگ اپنے نفس پر مسلط اور خداوند عالم کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔"

امام خمینیؒ اسلامی معاشرہ میں اس وحدت واتحاد کے قائل تھے جو مستحکم اور مقدس بنیادوں پر قائم ہو چنانچہ وہ کہا کرتے تھے:

"قرآن مجید کی تعلیمات پر مبنی اسلامی وحدت کے سایہ میں ہم لوگوں کو باہم متحد رہنا چاہئے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کہ آپ لوگ کسی ایک مسئلہ ومعاملہ میں متحد رہئے اور تفرقہ واختلاف پیدا نہ کیجئے بلکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ سب لوگ "اعتصام بحبل اللہ" کی پیروی کریں۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہ نہیں رہا کہ وہ لوگوں کو کسی ایک کام کے لئے متحد کر دیں بلکہ ان کی آمد کا مقصد تمام لوگوں کو راہ حق پر جمع کرنا اور ثابت قدم بنانا ہے۔"

اگر مجھ سے یہ سوال کریں کہ امام خمینیؒ کی نظر میں دشمنوں پر ملت اسلامیہ کی کامیابی کا راز کیا تھا تو وہی جواب دوں گا جس پر انہوں نے اپنے متعدد بیانات نیز وصیت نامہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے یعنی حکم خدا کی پیروی "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" اس سلسلے میں وہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جب ہم لوگوں نے اس امر خداوندی پر مکمل اعتقاد ووفاداری کے ساتھ عمل کیا تو ہم لوگ پوری طرح متحد ہو گئے۔ اندر' باہر' طالب علم اور دینی درسگاہوں کے طلاب' سب آپس میں متحد ہو گئے۔ سماج کے سبھی طبقے آپس میں متحد ہو گئے۔ اب اس اتحاد کے بعد آپ لوگ مطمئن رہیں کہ آپ کامیاب ہو گئے... کامیابی کی کنجی خود ملت کے ہاتھ میں ہے البتہ ملت اسلامیہ کو اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ کس چیز نے اسے کامیابی وسربلندی عطا کی اور یہ کوئی اور چیز نہیں بلکہ امت اسلامیہ کے درمیان موجود مثالی وحدت واتحاد تھا جس نے ہم لوگوں کو عظیم الشان کامیابی عطا کی اور "اعتصام بحبل اللہ" کی بدولت ہم سرفراز وسربلند ہو گئے۔

امام خمینیؒ وحدت واتحاد کو ہر فرد مسلمان کا شرعی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں علماء ودانشوروں اور اسلامی علاقوں کے حاکموں کی ذمہ داری دوسروں سے کئی گنا زیادہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ان کے اکثر خصوصی بیانات واہم پیغامات اسی سلسلے میں صادر ہوتے رہے۔ ان کا اعتقاد و ایمان تھا کہ وحدت کی تشکیل وتقویت کے لئے ہم لوگوں کو لازمی قیمت بھی ادا کرنی چاہئے چنانچہ وہ اس راہ میں بھی پیش قدم تھے لیکن یہ ایک فطری امر ہے کہ اس مختصر مقالے میں وحدت واتحاد کے ہر پہلو پر امام امت کے ارشادات کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔

وحدت واتحاد کے موضوع پر میں نے امام خمینیؒ کے ارشادات وہدایت پر مشتمل ایک کتابچہ کا

مطالعہ کیا تو اجمالی طور پر میں اس نتیجے پر پہونچا کہ امام خمینیؒ کی نظر میں وحدت واتحاد ایک انتہائی وسیع موضوع کا نام ہے جو مختلف پہلوؤں کا حامل ہے اور انہوں نے اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل اور اس کے بعد ان تمام پہلوؤں کی شناخت وترویج کے سلسلے میں بھرپور قدم اٹھائے ہیں۔ ان کی دعوت اتحاد کا دائرہ فقط ایرانی قوم تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ وہ اکثر وبیشتر ساری دنیا کے کمزور وپسماندہ لوگوں کو ظالموں اور استکباری جماعتوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے شرک والحاد کے خلاف 'ادیان الٰہی کی پیروی کرنے والوں کے درمیان وحدت واتحاد پر زور دیا اور اسلامی دنیا پر حملہ آور اسلام دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے امت اسلامیہ عالم کے درمیان اتحاد کو ان کی حفاظت کا اہم وسیلہ بتاتے رہے اور مذہب اسلام کی مختلف شاخوں مثلاً شیعہ وسنی بھائیوں کے درمیان وحدت واتحاد کو دنیائے اسلام کی سربلندی کا ذریعہ قرار دیا اور اصول واقدار کی حفاظت کے دائرہ میں قوموں اور حکمراں جماعتوں کے درمیان وحدت واتحاد کی بھی حمایت کی۔

ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے اندر قومی اتحاد کے سلسلے میں حضرت امام خمینیؒ معاشرہ کے تمام طبقوں 'جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مستحکم وحدت واتحاد کو کامیابی کی راہ میں پہلا قدم مانتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خطبوں اور بیانوں میں دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ لوگوں کے درمیان وحدت واتحاد کو معاشرہ کے دیگر طبقوں کے درمیان اتحاد کا وسیلہ مانتے تھے۔ علماء دین اور یونیورسٹیوں سے وابستہ افراد کے درمیان وحدت

کے ساتھ ہی ساتھ وہ علماء اور عوام 'افراد فہم ودانش اور عوام 'انتظامی وفوجی جماعت اور عوام 'حکومت اور پارلیمنٹ' عدلیہ 'انتظامیہ اور نفاذیہ اداروں کے درمیان 'بحری 'زمینی اور ہوائی افواج کے درمیان اور مختلف النوع قومی تنظیموں کے درمیان وحدت واتحاد پر بہت زور دیا کرتے تھے اور نسلی 'قومی اور جغرافیائی امتیازات کے سخت مخالف تھے۔ اس کے علاوہ امام خمینیؒ اپنی گرانقدر تصانیف میں 'بیرونی اور اندرونی طاقتوں کے درمیان 'سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان اور ملک کی جملہ سیاسی 'سماجی اور ثقافتی تنظیموں کے درمیان وحدت واتحاد کیلئے کوشاں رہا کرتے تھے۔

حضرت امام نے متعدد بار انتہائی سخت ومایوس کن حالات میں ہم لوگوں کو جدوجہد کرنا سکھایا اور بار بار ہم لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے رہے کہ حق وباطل کے درمیان مقابلہ کے دوران ظاہری مادی اسباب ووسائل کی کمی فیصلہ کن ثابت نہیں ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مغرب ومشرق کی عظیم طاقتوں کے شرمناک ہتھکنڈوں کے مقابلے میں انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کا اہم راز ہی یہ تھا کہ ایران کا بچہ بچہ امام خمینیؒ کے حکم کا پیرو بنا ہوا تھا۔

جس طرح امام خمینیؒ نے وحدت واتحاد کی اہمیت وضرورت پر زور دیا ہے' اسی طرح رہبر انقلاب نے وحدت کے لوازم کی نشاندہی کی ہے کیونکہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مناسب وسازگار ماحول کے بغیر وحدت واتحاد کی

تشکیل ایک امر محال ہے اور اگر اتحاد قائم ہو گیا تو وہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وحدت واتحاد کے عقیدتی اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد 'تشکیل وتحکیم وحدت کیلئے امام خمینیؒ نے جن بنیادی اسباب وعوامل اور لازمی عناصر کی طرف تفصیلی اشارہ کیا ہے' ان کا اجمالی تجزیہ حاضر خدمت ہے:

۱۔ غیر معمولی حد تک خود سازی کا اہتمام اور ذاتی وسماجی زندگی میں معنوی قدروں اور اعلیٰ اخلاقی معیاروں کی پیروی۔

۲۔ سلیقوں کے درمیان اختلاف کا تحمل' آزادی فکر کا دفاع اور ایسی ثقافتی وسیاسی تشکیلات کی حمایت جس پر امت اسلامیہ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

۳۔ ناقابل حل سیاسی وسماجی مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں وحدت واتحاد کے معجزہ آفریں کردار کے سلسلے میں گہرا اعتقاد ومکمل اعتماد۔

۴۔ طرفین کے درمیان وحدت واتحاد کے سلسلے میں رخنہ اندازی اور غلط فہمی پیدا کرنے والوں کے سلسلے میں پوری توجہ اور ہوشیاری سے کام لینا اور عوام کو بھی ان تفرقہ انگیز عناصر کی کرتوتوں سے باخبر رکھنا۔

۵۔ وحدت واتحاد کا بھرپور احترام کرتے ہوئے
سولی مواقف اور منطقی اقدار و معتقدات کا تحفظ۔

۶۔ دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں کے
نظام اور طریقہ تحقیق کے درمیان موجود بنیادی اختلافات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے معاشرہ کے بنیادی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مشترکہ زبان کا انتخاب اور اختلافات سے پرہیز۔

۷۔ مشترک پہلوؤں کی زیادہ سے زیادہ تلاش اور بنیادی باتوں میں نظریاتی اختلافات کو کم کرنے کی بھرپور کوشش۔ اس کام کے لئے فقط علمی مناظرہ و مباحثہ کی تشکیل اور عوام الناس کو ان علمی اور ثقافتی اختلافات سے دور رکھنا نیز اس مسائل کو حل کرنے کے لئے فقط علمی احتجاجات اور مناسب وپسندیدہ عقلی راہ وروش کا استعمال کرنا۔

۸۔ توحیدی اور وحدت آمیز ثقافت کا اسلامی معاشروں میں احیاء اور مذہب اسلام کے مختلف عبادی، سیاسی اور سماجی احکام میں وحدت واتحاد کے مظاہر اور نمونوں کی طرف ملت اسلامیہ کو متوجہ کرنا مثلاً نماز جمعہ وجماعت اور حج جیسی عظیم اسلامی کانگریس کے فلسفہ پر محققانہ غور وفکر مسلمانوں کو باہمی تعاون کی طرف راغب کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو تمام مسلمانوں کا ذاتی فریضہ قرار دیتے رہنا۔

۹۔ امت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو اسلام کے درمیان ماضی سے مطلع رکھتے ہوئے موجودہ صدی میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب سے بھی بخوبی آگاہ رکھنا۔

۱۰۔ اکثر اسلامی معاشروں پر مسلط مغربیت کی تردید اور خود اعتمادی کی ترویج واشاعت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے دنیائے اسلام کی ثقافتی تحریک کی وسعت وعالمی مقبولیت کے لئے لازمی جدوجہد کو جاری رکھنا۔

۱۱۔ حقیقی دشمنوں کی شناخت اور دشمن تراشی سے اجتناب وپرہیز۔

۱۲۔ وحدت واتحاد کے دشمنوں کے خلاف یقینی کامیابی کے لئے جہاد وشہادت پسندی پر مشتمل ثقافت کی تبلیغ وترویج۔

۱۳۔ ایسی خرافات پرستی اور تفرقہ انگیزی

> امام خمینیؒ وحدت واتحاد کو ہر فرد مسلمان کا شرعی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں علماء ودانشوروں اور اسلامی علاقوں کے حاکموں کی ذمہ داری دوسروں سے کئی گنا زیادہ ہوا کرتی ہے۔

کی مکمل روک تھام جو ناواقف اور خود غرض عناصر کے ذریعہ دینی اور مذہبی رسومات کا جز بن گئی ہیں اور لمبی مدت گزر جانے کی وجہ سے مسلمان قوموں اور قبیلوں کی روایتی ثقافت کا بنیادی رنگ وروپ اختیار کرچکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے درمیان موجود اندھے تعصب کو کم کرنے کی بھرپور کوشش۔

۱۴۔ وحدت واتحاد کے منادیوں کے قول وعمل کے درمیان یکسانیت نیز وحدت کو اپنا نصب العین قرار دینے والی حکومت سے وابستہ افراد وحکام کے قول وفعل میں بھی یکسانیت کو برقرار رکھنا۔

اس یکسانیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماج کے قائد ومصلح کی جانب سے سکوت اختیار کرنے یا وحدت وحمایت برقرار رکھنے کا حکم دیا جائے تو معاشرہ کے تمام لوگ اس حکم کی پیروی کو اپنی مصلحت سمجھیں، چاہے اس حکم سے ان کی روایتی رسوم اور ان کے آداب واخلاق کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو چنانچہ ہم لوگ اس یکسانیت کا امام خمینیؒ کی تحریک کے اتار چڑھاؤ کے درمیان سیکڑوں بار مشاہدہ کرچکے ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ نے مسلمانوں کے درمیان وحدت واتحاد کو مستحکم بنانے کے لیے فلسطینی مظلوموں کے حقوق کی بھرپور حمایت کی کیونکہ اسلامی علاقوں میں ا۔ یک اور صیہونی حکومت کی وسعت پسندی کے خلاف مسلمانوں کا ایک مرکز اتحاد پر جمع ہونا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ رسول اکرمؐ کی شان میں بے ادبی وگستاخی پر مشتمل کتاب "شیطانی آیات" جیسی اسلام دشمن سازش کے خلاف اپنے مستحکم موقف سے پیغمبر اسلامؐ کے سلسلے میں مسلمانوں کے مقدس عشق کو پوری طرح نمایاں کردیا اور اس واقعہ کو امت اسلامیہ عالم کے درمیان اتحاد کا باعث بنادیا اور پوری دنیائے اسلام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

جی ہاں! اسلامی انقلاب اور اس کی نعمتوں اور کتوں نے ہم لوگوں پر حجت تمام کردی ہے۔ امام خمینیؒ کی کامیابیاں اور ان کی عالمی اسلامی تحریک قرآن کریم کی اس آیہ شریفہ کی مصداق ہے۔ "کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ" حضرت امام نے متعدد بار انتہائی سخت ومایوس کن حالات میں ہم لوگوں کو جدوجہد کرنا سکھایا اور بار بار ہم لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے رہے کہ حق وباطل کے درمیان

مقابلہ کے دوران ظاہری مادی اسباب و وسائل کی کمی فیصلہ کن ثابت نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ اس مقابلہ وصف آرائی میں جس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ آگاہی و بیداری' اخلاص اور فریضہ کو پورا کرنے کا حوصلہ ہے۔ لہٰذا اگر آج اسلامی معاشروں کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ ان کے مسائل ومصائب کا علاج اور موجودہ پسماندگی و بے سروسامانی سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقی اسلامی شناخت کو دوبارہ حاصل کرتے ہوئے امت واحدہ کی تشکیل میں ہمہ تن سرگرم ہو جائیں تو پھر اس مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں ہم لوگوں کو ایک لمحے کے لئے بھی خوفزدہ و مایوس نہ ہونا چاہئے۔

آیئے! ہم لوگ اس مقدس جہاد میں پیش قدم ہو جائیں۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ پیغمبر وحدت ورحمت کے ماننے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہر ممکن اسباب و وسائل سے مالامال اور غیر معمولی جغرافیائی حیثیت کی حامل ہوتے ہوئے بھی تفرقہ واختلاف کی آگ میں جلتی رہے اور دین خدا وانسانیت کے دشمن امت اسلامیہ کی پراگندگی کا مذاق اڑاتے رہیں اور اس امت کے سامنے فخر ومباہات کا مظاہرہ کریں جو صدیوں حقیقی انسانی تہذیب وتمدن کی علمبردار رہی ہے اور آج جس کے سرمایہ کو یہ سامراجی طاقتیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہیں۔

آج خداوند عالم کی مقدس وگرانقدر کتاب ایک حرف کی کمی یا زیادتی کے بغیر' اسلامی فرقوں کے درمیان موجود ہے اور سنت وآئین پیغمبر اکرم کو ہم لوگوں کے جملہ اعمال کے لئے مشعل ہدایت کا درجہ حاصل ہے۔ ایک قبلہ' ایک کلمہ ونعرہ' ایک نماز ومناسک حج اور سیکڑوں دوسرے اسلامی شعار پر تمام اسلامی مذاہب کا یکساں اعتقاد وایمان ہے اور امت اسلامیہ کے درمیان موجود یہ مثالی یکسانیت امت واحدہ کی تشکیل میں نہایت مدد ومعاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ امت اسلامیہ کے درمیان وحدت واتحاد کے فقدان کے سلسلے میں عوام کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی علاقوں کے حکمرانوں' عالموں اور دانشوروں کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے حالات میں اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیں۔

میں ان اسلامی حکومتوں کے سربراہوں کے سامنے' جو پڑوسی اسلامی حکومتوں کے ساتھ اخوت وبرادری کا معاہدہ کرنے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے والی حکومتوں کے ساتھ معاہدۂ صلح سے امید لگائے ہوئے ہیں' بانگ دہل یہ اعلان کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا اندازہ غلط ہے اور آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں کیونکہ آزمائے ہوئے کو بار بار آزمانا عقلمندی کی علامت نہیں ہے اور تلخ تجربات کی تکرار ہرگز مفید نہیں ہوا کرتی ہے۔

امریکہ اور اسرائیل' اسلام اور امت اسلامیہ کی مکمل نابودی اور تمام اسلامی علاقوں پر مکمل غلبہ وتسلط کے بغیر راضی ہونے والے نہیں ہیں۔ لہٰذا آیئے ان عنکبوتی اور پھسپھسے معاہدوں سے' جن کا بنیادی مقصد امریکی واسرائیلی مفاد ومصالح کی حفاظت ہے' دل لگانے کے بجائے مستحکم اسلامی اخوت وبرادری کے معاہدہ کو عملی شکل دینے کی کوشش کریں اور امت واحدہ کی یاد کو دوبارہ تازہ کر دیں۔

وہ حکومتیں' جماعتیں اور افراد واشخاص جو کتاب ومقالہ وفلم کی تبلیغ واشاعت کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلاف کی آگ بھڑکانے میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور دیگر اسلامی فرقوں کی پیروی کرنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اپنے اس عمل سے وہ اپنی موجودیت اور اپنے مفاد ومصالح کا دفاع کر رہے ہیں' وہ درحقیقت بہت بڑی بھول کا شکار ہیں کیونکہ دشمن ان میں سے کسی پر بھی رحم نہ کرے گا اور اس معرکہ میں وہی لوگ فائدہ میں رہیں گے جو عالم اسلام کے درمیان وحدت واتحاد کی تشکیل کے ذریعہ اسلام دشمن طاقتوں اور جماعتوں کی وسعت پسندی کی روک تھام کرنا چاہتے ہیں۔

میں امام خمینیؒ کی تاسی وپیروی کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ایرانی عوام اور اسلامی جمہوری نظام کے تمام مسئولین ان سبھی مسلمان عوام اور اقوام' حکومتوں کے ساتھ معاہدہ اخوت وبرادری کے لئے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں جو امت اسلامیہ کے مفاد ومصالح پر دشمنان دین خدا کے مفاد کو ترجیح نہیں دیتی ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت اور امت اسلامیہ ایران وحدت واتحاد اسلامی کی راہ میں پیش قدمی کے لئے لازمی قیمت ادا کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہے۔

آخر کلام میں' میں ایک بار پھر خود اپنے آپ کو' آپ لوگوں کو اور مخلص ودلسوز مسلمانوں کو دنیائے اسلام کی خطرناک صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے اس نجات بخش الٰہی پیغام کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کی تعمیل وپیروی ہمارا مذہبی فریضہ اور ہماری نجات کا باعث ہے۔

"واعتصموا............فانقذکم منھا۔"

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید احمد خمینی

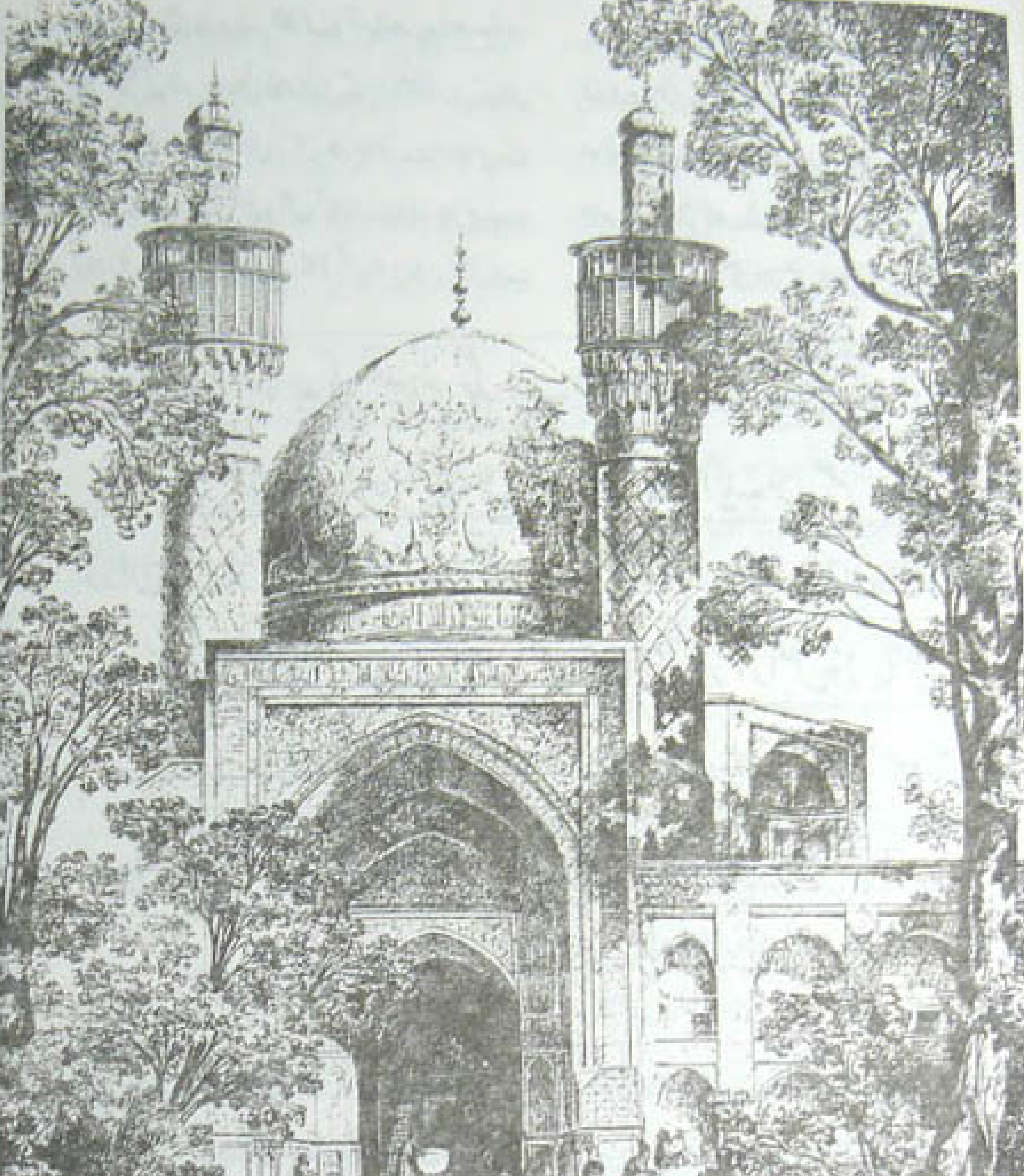

مساجد اور فن معماری

دنیا کے مورخین مستشرقین سیاحوں اور فنکاروں نے اپنی ادبی تخلیقات میں مساجد اور دیگر مقامات مقدسہ کو اہم و قابل قدر جگہ دی ہے۔ مساجد کے سیاسی و اجتماعی مقاصد کیلئے استعمال کے علاوہ اس میں جس فن معماری کو بروئے کار لایا گیا ہے اس کے تمام اجزاء اس معنوی اہمیت کے حامل ہیں جو مجموعی طور پر ایسی علامت بن کر جلوہ نما ہوتے ہیں جسے بجا طور پر اسلامی تمدن کا عالیشان و پرشکوہ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مقام مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جسے "خانہ خدا" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جب ہم اس کے تاریخی تمدنی و معاشرتی اور معنوی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ مسجد کی عمارت بذات خود تاریخ کا ایسا گوشہ ہے جس سے اسلامی روایت تہذیب و تمدن کی شان و شوکت نمایاں و درخشاں ہوتی ہے۔

عبادت گاہ کی حیثیت سے مساجد عظیم ترین شہر سے لے کر دور افتادہ ترین دیہات تک میں نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مسلمان یکجا ہوئے انہوں نے وہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود مسجد کی تعمیر کو مقدم سمجھا تاکہ نماز جیسے فریضے کو وہ پابندی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ ان میں سے بہت سی مساجد ایسی بھی تھیں جن میں اسی سادگی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا جو صدر اسلام کی مساجد کا خاصہ تھا اور ان میں سے کسی میں بھی فن معماری کی برجستہ و نمایاں خصوصیت موجود نہ تھی لیکن اس ضمن میں ان ہی مساجد کو مد نظر رکھا گیا ہے جو فن تعمیر کے اعتبار سے کسی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ چونکہ مسجد کی تعمیر میں صحن، دالان، حجرے وغیرہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہاں اس میں سے ہر ایک کی جداگانہ وضاحت و تشریح بھی کی گئی ہے۔

عالم اسلام کی پہلی مسجد

جس وقت رسول اکرمؐ مدینہ میں ہمراہ صحابہ وارد ہوئے تو اس وقت شہر کے ہر سر برآوردہ شخص کی یہی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ اسی کی سرزمین پر تشریف فرما ہوں۔ اور مال و متاع، ساز و سامان، اشیاء خورد و نوش، اسلحہ جنگ نیز جنگجو سپاہ وغیرہ میں سے جو بھی آپ کو درکار ہوں، اسے آپؐ بے دریغ اسی علاقے سے حاصل کریں۔ مگر آنحضرتؐ نے ان کی کسی بھی پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور آپؐ کس جگہ فرائش ہوں اسے حکم الٰہی کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ آپ کا ناقہ اس زمین پر رک گیا جو دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس طرح اس جگہ کا انتخاب بہترین طریقے پر عمل پذیر ہوا جہاں مسجد کا بنایا جانا مقصود تھا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار مسجد کی تعمیر میں مشغول ہوئے

ہوگئے۔ اس کے ساتھ آنحضرتؐ بھی روزانہ کے تمام امور انجام دینے کے بعد مسجد کی تعمیر میں بنفس نفیس ان کی مدد فرماتے۔ چنانچہ ایک دن وہ آیا جب کہ مسجد اور اس سے وابستہ دیگر مکانات بن کر تیار ہو گئے۔

بہت سے اختلافات اور شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ ماد، ہخامنشی اور ساسانی خاندان کے بادشاہوں کے اس دعوے کو کہ بادشاہی 'حق خداداد' ہے اسلام کے جمہوری نظام نے یکسر باطل قرار دے دیا۔ چنانچہ جدید (بعد از اسلام) اور عہد قدیم (قبل از اسلام) میں اب

ایران میں اسلام سے قبل کے ادوار میں اہم عمارات عبادت گاہوں یا شاہی محلات کی شکل میں موجود تھیں۔ مجموعی طور پر آتشکدے اپنے حدود اربعہ میں نسبتاً چھوٹے ہی ہوتے تھے جس کی وجہ سے بہت سی رسومات کھلی فضا میں ہی انجام دی جاتی تھیں۔

اگرچہ مساجد کی تعمیر ہر جگہ ایک ہی مقصد کے تحت کی گئی یعنی ایک ہی قبلہ، ایک ہی قصد وارادہ اور ایک ہی حکم اور ان میں جو چیزیں مشترک تھیں وہ مصلیٰ، محراب اور مؤذن وغیرہ ہیں لیکن اس اشتراک کے باوجود فن معماری اور آرائش وزیبائش کے اعتبار سے ہر ملک میں ایسی طرز تعمیر وجود میں آئی جو خصوصی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ ان میں جو باہمی فرق پایا جاتا ہے اس کی داد ماہرین فن وصاحب نظر فنکار ہی دے سکتے ہیں۔

مدینہ کی اس مسجد کا استعمال، مختلف مقاصد کے لئے کیا جاتا تھا۔ جس میں دینی فرائض انجام دینے کے علاوہ تعلیمی، سیاسی، معاشرتی مسائل اور خاص مواقع پر صلح وجنگ سے متعلق اجتماعات بھی اسی جگہ تشکیل ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ کا یہ معمول تھا کہ جس وقت بھی آپؐ سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور اس کے بعد جو افراد وہاں آتے ان کے ساتھ گفتگو کرتے یا ان کے مسائل کو سلجھانے کی جانب توجہ فرماتے۔

جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو ابتدا میں اس ملک کی سیاسی، اقتصادی اور مذہبی زندگی میں نمایاں طور پر باہمی تضاد نظر آنے لگا۔ کیونکہ نیا دور اپنے قدیم روایات کے مقابل طاقت کے لئے اصول وذرائع اور قوت واقتدار کی نئی اقدار اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ نئے فرائض اور دینی اصول اس امر کے متقضی تھے کہ نئی جہاں بینی کو بروئے کار لایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانے سے بعد کے تمام ادوار میں اسلام نے مسلسل ایران کی جدید طرز فکر اور نئی جہاں بینی کی پرورش میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اس کار کردگی میں اس وقت کا فن تعمیر پیش پیش رہا کیونکہ اسلام جو حکم نافذ کرتا تھا اور اس کے جو اسباب وعلل ہوتے تھے انہی کی روشنی میں تمام امور انجام دئے جاتے تھے۔

اگرچہ ایسی عبادت گاہیں بھی موجود تھیں جن کا رقبہ کافی وسیع وعریض تھا مگر ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ایسی عبادت گاہوں میں شہر بلخ کا نوبہار (نودہار) قابل ذکر ہے۔ اس کی عمارت اتنے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی کہ اس کا شمار ایران کی عظیم ترین عمارات میں ہوتا تھا لیکن ایسی عمارت شاذونادر ہی پائی جاتی تھیں۔ نوبہار بلخ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اپنی شان وشوکت اور عظمت کے اعتبار سے کسی قصر شاہی سے کم نہ تھی۔

اصولی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہخامنشی اور ساسانی خاندانوں کے ادوار میں شہر عام طور پر محلات فصیل شہر، قلعے، حوض، تالاب اور دیگر شاہی مکانات

پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ وہ علامات تھیں جنہیں دیکھ کر حکومت کی ہیبت دلوں پر طاری ہوتی تھی اور اس طرح بادشاہ وقت کی اس طاقت واقتدار کا اندازہ ہوتا تھا جو عوام پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس زمین پر وہی جانشین خدا ہے۔ چنانچہ آب وخاک سے تعمیر شدہ تخت جمشید اور تیغون نامی شہر محض حاکم وقت کا دار الحکومت ہی نہ تھے بلکہ ان کا شمار ایسے مقدس مقامات میں ہوتا تھا جنہیں بارگاہ الٰہی تصور کیا جاتا تھا۔ اور یہی وہ جگہیں تھیں جہاں عام انسان آسمانی مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔

دین اسلام کے فروغ اور اس کی تعلیمات کے تحت اثر پر شکوہ وباعظمت عمارات کے ذریعے تجلی قدرت الٰہی کا جذبہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا اور اب ہخامنشی وساسانی بادشاہوں کے شاندار محلات کی جگہ یہ مقام مساجد کو حاصل ہو گیا۔ اس عمل میں ان رسومات نے اہم کردار ادا کیا جو بطور دینی فرائض یہاں ادا کی جاتی تھیں کیونکہ یہاں ہر شخص کو مساوی حقوق حاصل تھے۔ ہخامنشی اور ساسانی بادشاہوں کے محلات چونکہ بادشاہ کی عظمت وجلال کا ایسا مظہر تھے جس کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں کیا جا سکتا تھا اسی لئے ان میں عام آدمی محض خادم بن کر ہی داخل ہو سکتے تھے۔ مگر اس کے برعکس مساجد عوام کی خاطر ہی بنائی گئی تھیں چنانچہ وہ بارگاہ الٰہی میں خود کو بندہ وخادم سمجھ کر ہی حاضر ہوتے تھے۔

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ کی ہجرت کے بعد پہلی مسجد "قبا" نامی مقام پر تعمیر ہوئی جس کی تمام کیفیت کا ہمیں علم نہیں۔ جب آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد مہاجرین' انصار اور خود رسول اکرمؐ نے مربع قطعہ زمین پر جس کا ہر ضلع تقریباً سو اسات گز تھا اینٹوں اور کنکروں سے بنائی شروع کی۔ رسول اکرمؐ کی مسجد کا نقشہ جو شکل میں دالان جیسا تھا تمام اسلامی ممالک میں مسجد سازی کا نمونہ قرار پایا۔ اور اس کے بعد بھی جو مسجد تعمیر کی گئیں وہ بھی شکل وشباہت میں

> مدینہ کی اس مسجد کا استعمال، مختلف مقاصد کے لئے کیا جاتا تھا۔ جس میں دینی فرائض انجام دینے کے علاوہ تعلیمی' سیاسی' ومعاشرتی مسائل اور خاص مواقع پر صلح وجنگ سے متعلق اجتماعات بھی اسی جگہ تشکیل ہوتے تھے۔

اسی مسجد جیسی تھیں۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ شہروں میں جو مسجد پہلی مرتبہ بنی اس میں بھی دالان کا ہی اہتمام کیا گیا تھا اور اس میں ان اینٹوں اور پتھروں کو استعمال کیا گیا تھا جو حیرہ کے ویران شدہ محلات کے ملبے سے حاصل ہوئے تھے اور بقول طبری ان مساجد کا میر عمارت "روزبہ" نامی ایرانی شخص تھا۔

اسلام کے ابتدائی دور یعنی صدر اسلام میں مسلمانوں کے تمام امور ومعاملات میں سادگی وبے آلائش کار فرما تھی' اس لئے مساجد کی تعمیر میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی تھی اور ان میں سے اگر کسی کو اس بات کی اطلاع ہو جاتی کہ اسلامی ممالک میں کہیں بھی عظمت وجاہ طلبی کے لئے کوئی اقدام کیا جا رہا ہے تو اس کا سختی سے سدباب کیا جاتا۔ چنانچہ جب خلیفہ ثانی نے یہ سنا کہ کوفہ میں سعد نے اپنے مکان کی تعمیر میں اس دروازے کا استعمال کیا ہے جو وہاں کے اس محل کے دروازوں میں سے تھا جو اسلام سے قبل ویران ہو چکا تھا اور ان کا مکان عوام میں محل کے نام سے مشہور ہو گیا ہے تو موصوف نے محمد ابن سلمہ کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے سعد کے مکان کے دروازے کو نذر آتش کرے اور سعد کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ بیت المال کے نزدیک کسی گھر میں رہائش اختیار کریں اور دار الحکومت کی عمارت پر نہ دروازہ نصب ہو اور نہ ہی اس پر دربان مقرر کیا جائے تاکہ وہاں لوگوں کی آمد ورفت میں درباری آداب ورسوم کا رواج نہ ہو جائے۔

سادگی اور کشادگی کا زمانہ جلد ہی ختم ہو گیا پہلی صدی ہجری کے وسط تک مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر فتوحات کیں اور خلافت نے اموی اور عباسی خاندان کے حکمرانوں کے ہاتھوں شہنشاہیت کی شکل اختیار کر لی۔ بازنطینی اور ساسانی عہد کے ایرانی تمدن کے تحت اثر مساجد ومدارس کے نام سے پُر شکوہ وجلال عمارات شام' مصر' عراق' ایران' ہندوستان' افریقہ اور مغرب جیسے ممالک (مراقش' تیونس اور اسپین) میں تعمیر کی گئیں۔

مسجد کوفہ ۱۷ھ میں بنائی گئی تھی' اموی خاندان کے اوائل میں اس کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ نئی عمارت وسیع دالان اور مرکزی صحن پر مشتمل تھی۔ اس خاندان کے حکمرانوں میں ولید بن عبد الملک نے گزشتہ عہد کی عمارت کی از سر نو تعمیر وتوسیع میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ چنانچہ اس نے ہی پہلی مرتبہ مسجد مکہ (بیت

اللہ) مسجد مدینہ (مسجد نبوی) اور دیگر نئی عمارات کی جانب توجہ دی۔ اس عہد میں جو اہم عمارات تعمیر ہوئیں ان میں سے ایک مسجد دمشق ہے' جس پر بے اندازہ رقم خرچ ہوئی اور اس کی شان و شوکت کی جانب پوری توجہ دی گئی۔ ولید بن عبدالملک نے اس مسجد کی تعمیر کے لئے یونانی کلیسا کا کچھ عماراتی سامان بھی استعمال کیا۔ چنانچہ اس کا یہ اقدام تاریخ کا ایسا واقعہ تھا جس میں اہل کتاب کی عمارت کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ جس وقت مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی اور اخراجات کے کاغذات خلیفہ نے طلب کئے تو انہیں سترہ اونٹوں پر لاد کر لے جایا گیا تھا۔

وسیع پیمانے پر ایسی عمارات کے رواج سے فن معماری کا ترقی پذیر ہونا فطری امر تھا۔ چنانچہ ہر اسلامی ملک میں مساجد' مقابر اور دیگر مقامات مقدسہ کی تعمیر میں مخصوص طرز تعمیر منظر عام پر آنے لگی اگرچہ مساجد کی تعمیر ہر جگہ ایک ہی مقصد کے تحت کی گئی یعنی ایک ہی قبلہ' ایک ہی قصد وارادہ اور ایک ہی حکم اور ان میں جو چیزیں مشترک تھیں وہ مصلیٰ' محراب اور موذن وغیرہ ہیں لیکن اس اشتراک کے باوجود فن معماری اور آرائش وزیبائش کے اعتبار سے ہر ملک میں ایسی طرز تعمیر وجود میں آئی جو خصوصی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ ان میں جو باہمی فرق پایا جاتا ہے اس کی داد ماہرین فن وصاحب نظر فنکار ہی دے سکتے ہیں۔

فن معماری کی یہ خصوصیات ایران کی مساجد میں بیشتر نمایاں ہیں اور مقامات مقدسہ کی تعمیر میں جو اختراعات کی گئی ہیں ان میں یہی ملک پیش پیش نظر آتا ہے۔

خلفائے بنی عباس نے ایرانیوں کی مدد سے اقتدار حاصل کیا اور مملکت اسلامیہ کا پایۂ تخت عالم اسلام کے مشرق یعنی نوبنیاد شہر بغداد میں منتقل ہوگیا۔ اگرچہ اس دور میں مساجد کی تعمیر تو کثرت سے ہوئی مگر داخلی جنگوں' مغلوں اور دستبرد زمانہ کے بعد ان میں سے چند ہی باقی بچ سکیں۔ اس دور کی مساجد میں سے ایک مسجد "المتوکل" شہر سامرہ میں تھی جو مستطیل زمین پر بنائی گئی تھی جس کا طول تقریباً دو سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو اسی گز تھا۔ اور اس میں تقریباً ایک لاکھ آدمی ایک ساتھ نماز ادا کر سکتے تھے۔

جب ایرانیوں کا اثر ورسوخ خلافت عباسیہ کے تمام شعبوں و معاملات اور اسلامی ممالک کے تمام امور میں نمایاں ہونے لگا تو اس کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ ایک طرف تو خلفائے بنی عباس کی توجہ ترک غلاموں کی جانب مرکوز ہونے لگی اور دوسری طرف ایران میں ریاستی سطح پر نسبی آزادی کا آغاز ہوا جس کے باعث بالآخر طاہری' صفاری' سامانی اور آل بویہ خاندانوں کی قومی حکومت کی تشکیل کے اسباب نمایاں ہونے لگے۔ ان خاندانوں کے تمام حکمرانوں کے پیش نظر ہمیشہ ساسانی بادشاہوں کی شان و شوکت رہتی تھی چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ اسی خاندان کے نقش قدم پر چلتے اور انہیں ہی اپنے لئے مثالی فرمانروا تصور کرتے' ساسانی خاندان کی پیروی میں فن معماری بھی کسی سے کم نہ رہا۔ چنانچہ مساجد کے علاوہ شہری زندگی کی دیگر عمارات کی تعمیر میں بھی پرشکوہ وجلال عہد ماضی کی ہی تقلید کی گئی۔ اور اس طرح مفتوحہ ممالک کی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کی اسلامی قوانین کی آمیزش سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسا تمدن منظر عام پر آنے لگا جس پر اسلامی رنگ غالب تھا اور اس طرح اسلامی فنون لطیفہ نے نئی شکل اختیار کی' لیکن اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت ختم ہو جانے کے بعد فن معماری نے اپنی پیشرفت کے لئے نئی راہ اختیار کی اور ہر قوم نے اپنی میل ورجحان کے مطابق اس کی توسیع وترقی میں حصہ لیا۔ اور اس طرح اسلامی فنون لطیفہ کے مختلف مکتب' عالم وجود میں آئے۔

مدینہ میں مسجد نبوی جو پیغمبر اکرمؐ کی پسندیدہ طرز کے مطابق تعمیر کی گئی تھی اس کے بارے میں ہمیں بخوبی اندازہ ہو گیا ہے اور اس کی تمام کیفیت کے بارے میں ہمیں واقفیت حاصل ہو گئی ہے۔ اب ہم یہاں یہ جاننا چاہیں گے کہ اس وقت اور بعد کے ادوار میں فن معماری کے کیا مفاہیم کار فرما ہے (یہاں اس مقصد سے بحث نہیں کہ یہ مفاہیم درست تھے یا غلط) بہر صورت مسجد النبیؐ کافی عرصے تک مساجد کی تعمیر میں مثال بنی رہی اور تمام اسلامی ممالک میں معمار و فن کار اس کی پیروی کرتے رہے یہ تقلید صرف انہی مناطق میں نہ ہوئی جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہاں فن معماری کے قابل قدر آثار موجود نہ تھے بلکہ ان علاقوں میں ان معماروں نے بھی جو وہاں تازہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے فن تعمیر کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہونے کے علاوہ انہیں اس فن کا گہرا تجربہ بھی تھا وہ مسجد نبوی کو ہی نمونہ ومثال بناتے رہے۔

☆ ☆ ☆

ٹائٹس برکھارٹ

اسلامی فنونِ لطیفہ کی لافانی اقدار

مضمون نگاری

ٹائٹس برکہارٹ کا شمار یورپ کے مشہور و معروف مفکرین اور ماہرین اسلامیات میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۹۰۸ء میں اٹلی کے شہر فلورنس میں پیدا ہوئے اُن کے والد چونکہ خود فنکار تھے چنانچہ انہیں بھی شروع سے ہی فنون لطیفہ سے دلچسپی رہی اور اسی ذریعے سے ان کے دل میں مشرق کے فنون کے بارے میں واقفیت بہم پہنچانے کا شوق پیدا ہوا۔ برکہارٹ کی دلچسپی مشرقی تمدن کے فنون لطیفہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ مجموعی طور پر انہیں مشرق کی معنویت اور بالخصوص عرفان اسلامی سے گہرا شغف رہا۔ اور اس میدان میں ان کے ذوق و شوق میں اس حد تک ترقی ہوئی کہ وہ اپنا بیشتر وقت اس کے مطالعے میں صرف کرتے تھے۔

موصوف کی متعدد کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں انہوں نے پہلی مرتبہ محی الدین ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" اور عبدالکریم جیلی کی تصنیف "انسان کامل" کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا۔ ان کے علاوہ اسلامی فنون لطیفہ کے بارے میں بھی ان کے بہت سے مضامین منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کی ایک مستقل کتاب "اسلامی فن" کے نام سے ۱۹۷۶ء میں انگریزی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ برکہارٹ چونکہ خود مسلمان ہیں چنانچہ انہوں نے مستشرقین کے برخلاف اسلامی فنون لطیفہ کا مطالعہ خاص نقطۂ نگاہ سے کیا ہے۔ اسلامی فنون لطیفہ کے بارے میں موصوف کے جو نظریات ہیں ان کا خلاصہ پیش نظر مضمون میں کیا گیا ہے۔ یہ مضمون پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ء میں "ادیان کا تقابلی مطالعہ" کے تحت عنوان "شمشیر معرفت" نامی رسالے میں شائع ہوا۔ دوسری مرتبہ اسے سلسلۂ اشاعت پنگوین بکس نے ۱۹۷۶ء بالٹیمور سے شائع کیا۔ ذیل میں ترجمہ اسی سے ماخوذ ہے:

حسن روی تو بہ یک جلوہ کہ در آئینہ کرد
این ہمہ نقش در آئینۂ اوہام افتاد
(تیرے چہرے کے حسن نے جب ایک مرتبہ جلوہ آئینے میں دکھایا تو یہ سارے نقوش تخیلات کے آئینے میں رونما ہو گئے۔)

این ہمہ عکس مئی و رنگ مخالف کہ نمود
یک فروغ رخ ساقی است کہ در جام افتاد
(شراب کے یہ تمام عکس اور متضاد رنگ اس وقت جلوہ نما ہوئے جب ساقی کے چہرے کی تابانی جام میں نمودار ہوئی۔)

۱۔اسلامی فنون لطیفہ کی خصوصیت وحدت ویگانگی ہے:

اسلامی فنون لطیفہ کے وجود میں آنے سے قبل جو عناصر موجود تھے ان کے بارے میں کتابوں میں بہت کچھ ملتا ہے۔ اس بارے میں یہ تو بہت کچھ کہا جاچکا ہے کہ اسلامی فن لطیف اس مادے کی نئی شکل ہے جس کا خمیر بیزنطینی' ہندوستانی اور منگولیائی فنون لطیفہ کے عناصر سے تیار کیا جاچکا تھا۔ لیکن جو

بات اب تک بہت کم کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ماہیت میں وہ قوت کار فرما تھی جس نے انواع واقسام کے تمام عناصر کو شکل واحد میں مرتب کر دیا تھا۔ اسلامی فنون لطیفہ کی وحدت کا انکار چاہے وہ زمان کی حیثیت سے ہو اور خواہ مکان کے اعتبار سے' کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ایسی درخشاں حقیقت ہے کہ کسی صورت میں اس سے منکر نہیں ہوا جاسکتا۔ کوئی شخص چاہے تو مسجد قرطبہ کے بارے میں تصور کرے' چاہے سمرقند کے عظیم الشان مدرسے کے بارے میں سوچے' چاہے مغرب میں بزرگان دین کے کسی آستانے کو فکر وخیال میں لائے اور چاہے وہ ترکستان کے کسی مزار کو ملحوظ خاطر رکھے لیکن ان سب میں اسے ایک ہی فن جلوہ گر نظر آئے گا۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس وحدت ویگانگی کی اصل ماہیت کیا ہے۔

۲۔ اسلامی فنون لطیفہ کی واحد شکل مشہود عقلی کا نتیجہ ہے:

بعض نظریات کے بموجب شریعت اسلامی خاص طور پر تصویر کشی کی اجازت نہیں دیتی۔ جس کی وجہ سے فنکارانہ کارکردگی بعض قیود میں محدود ہو کر رہ گئی ہے جو فی نفسہ کسی چیز کی تخلیق نہیں کرتی۔ دوسری طرف' جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے اگر ہم اس وحدت ویگانگت کو "دینی احساس" سے نسبت دیں تو یہ بات درست نہ سہی کم از کم گمراہ کن ضرور ہوگی۔ ایک احساس وہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو عالم وجود میں کسی طرح ایسی ہی ہم آہنگ ومتناسب تصاویر وجود میں نہیں لا سکتا جو پرمایہ ہونے کے ساتھ ہی باوقار حیرت انگیز اور ظریف ودقیق بھی ہو۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اسلامی فنون لطیفہ میں وحدت اور باقاعدگی پائی جاتی ہے'' ہمیں اُس اصول کی جانب متوجہ کرتی ہے جو بلوری اشیاء پر کار فرما نظر آتے ہیں۔ اسلامی فنون لطیفہ میں جو چیز نمایاں حیثیت کی حامل ہے وہ مسلمہ طور پر قوت احساس سے کہیں بالاتر ہے اور یہ احساس خود بالضرورت مبہم ومسلسل ہونے کے ساتھ متنوع بھی ہے چنانچہ یہی حقیقت جو احساس سے کہیں بالاتر ہے "شہود عقلی" کہلاتی ہے اور اسلامی فنون لطیفہ کے قالب میں شامل جان ہے۔

یہاں عقل ۸ سے مراد اس کے اصل مفہوم میں لی گئی ہے جو اپنے مرتبے کے اعتبار سے قوت استدلال ۹ اور تفکر سے کہیں زیادہ جامع ہے۔ عقل کو ان معنوں میں قوت کہا گیا ہے کہ اس کی مدد سے ان حقائق کا جو مافوق زمان ہیں' مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر

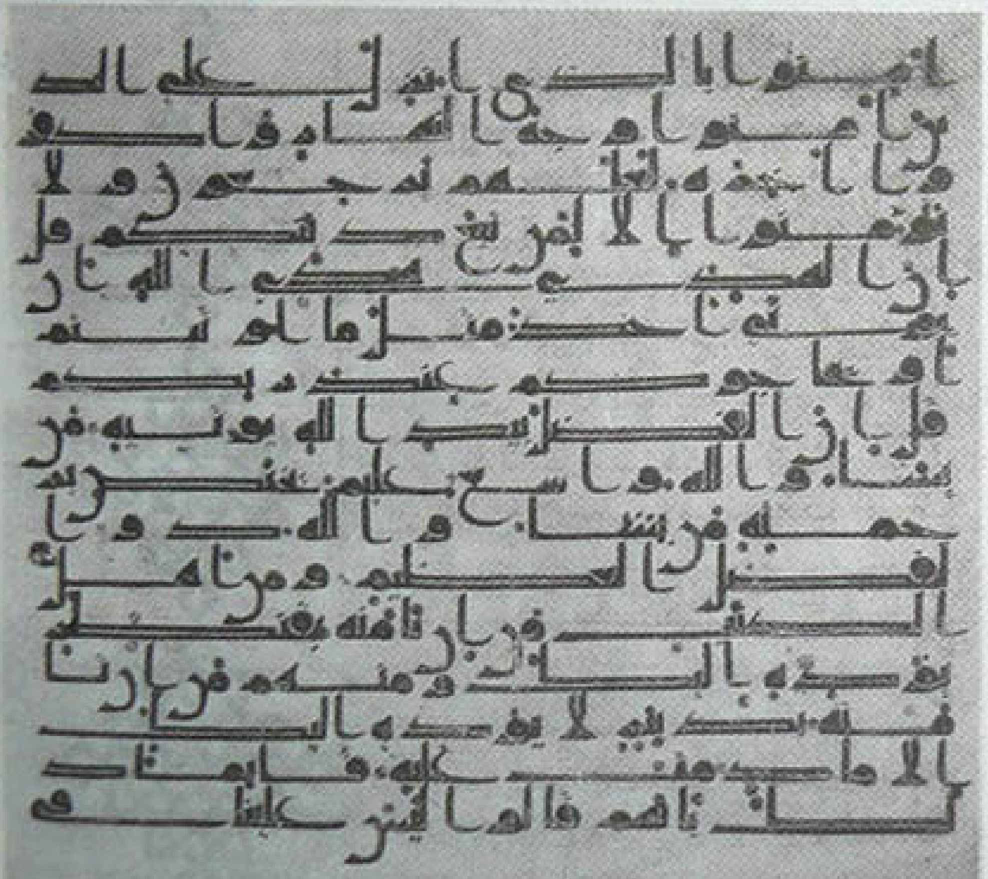

نورِ عقلی جو توحید کے ضمنی معانی بیان کرتا ہے ایمان پر درخشاں نہ ہو تو ایمان درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی فنون لطیفہ حکمت و دانش ۹ا کے چشمۂ شیریں سے سیراب ہوئے ہیں۔

۳۔ تاریخ فن ایک جدید فن ہے مگر اس کی مدد سے اسلامی فنون لطیفہ کو درک نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ فن ایک نیا علم ہے جو دیگر تمام علوم کی طرح اسلامی فن لطیف کی شناخت کے لئے اپنی روایتی طرز یعنی تجزیہ و تخیل کو بروئے کار لاتی ہے۔ تاریخ فن اپنی اس طرز و روش سے اسلامی فنون لطیفہ کا تاریخی پس منظر ہی پیش نہیں کرتی بلکہ وہ اس کی تاویل بھی بیان کرتی ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس فن کے لوازمات میں جو چیزیں شامل ہیں ان ہی میں فن مقدس ۱۰ا کا بھی شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فنون لطیفہ میں اسلامی فن لطیف بھی ہمیشہ انہی لازمی عناصر کی حیثیت سے شامل رہا ہے۔ مگر اس طرز و روش میں فن کی اس خصوصیت کو نظر انداز بھی کردیا جاتا ہے۔

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلامی فن چونکہ ایک مقدس فن ہے اسی لئے وہ لازمی عنصر کا بھی حامل ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ فن دراصل اشکال و تصاویر کا مرکب ہے اور چونکہ ہر شکل و صورت محدود ہوتی ہے اسی لئے وہ زمانے کے تابع ہے۔ یا بالفاظ دیگر اشکال و تصاویر ۱۲ا ہر تاریخی مظہر کے ساتھ رونما ہوتی ہیں اپنے عروج کو پہنچتی ہیں اور زوال پذیر ہو کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اس بنا پر علم فن شناسی بھی ناگزیر طور پر علم تاریخ کی ایک قسم ہے۔

لیکن یہ نصف حقیقت ہے کہ شکل و صورت اگرچہ محدود ہے اور نتیجۃً وقت و زمان کی محکوم و پابند لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ کسی لازمی امر کو وہ بیان کرتی ہو اور اس حیثیت سے وہ تاریخی وضع و کیفیت سے مبرا ہو۔ یہ خصوصیت نہ صرف شکل و صورت کی

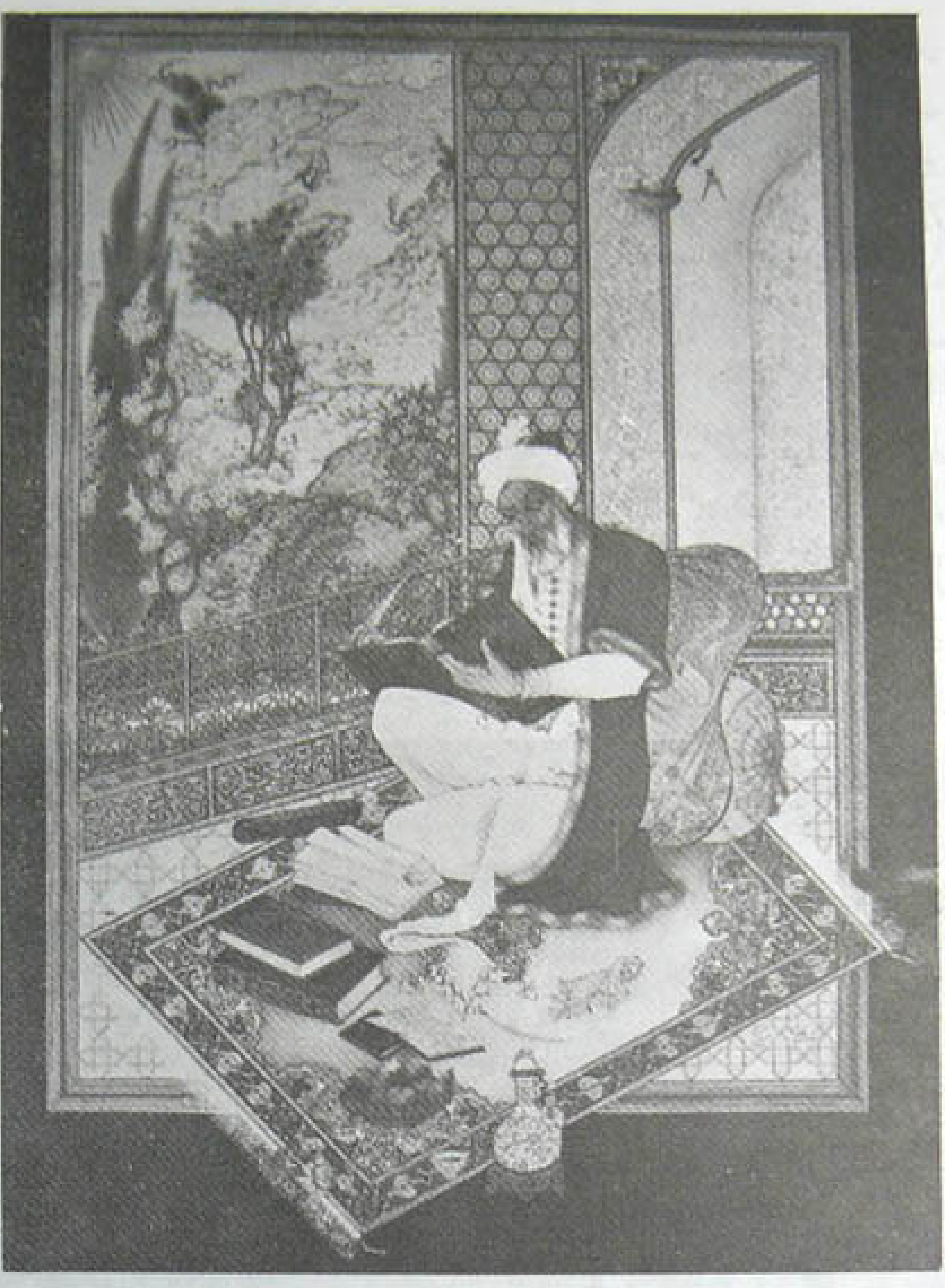

تخلیق سے مربوط و متعلق ہوتی ہے بلکہ اس کی بقا میں بھی کسی حد تک بطور لوازمات شامل رہتی ہے (کیونکہ ہر چیز کی تخلیق و ایجاد اس کی معنوی و روحانی پہلو کی حامل ہوتی ہے) یہی وجہ ہے کہ بعض اشکال و تصاویر اس بنا پر کہ لازمی خصوصیت کی حامل ہوتی ہیں وہ زمانے کے مادی تغیرات کے باوجود قائم رہتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام تغیرات کا مقابلہ بھی کرتی ہیں چنانچہ روایت[۱۳] کے معنی بھی یہی ہیں۔

دوسری طرف 'جمالیات شناسی کے وجود میں آنے کا سبب فن سے کی جدید تاریخ میں غالباً یونان قدیم یا اس فن سے لیا گیا ہے جو قرونِ وسطیٰ کے بعد منظر عام پر آیا۔ حال ہی میں جو اس کے بارے میں ارتقائی تبدیلی واقع ہوئی ہے وہ اسی سبب کی مرہون منت ہے۔ یہ ارتقائی تبدیلی خواہ جو بھی ہو پھر بھی اس فن کے ماہرین 'اس خیال کے حامی ہیں کہ فن میں حقیقی تخلیق کار خود انسان ہے چنانچہ اس خیال کے تحت کسی تخلیق کو اسی وقت فنی شاہکار کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی پیشانی پر وہ مہر ثبت ہو جو فنکار کی شخصیت کو نمایاں کرے۔ لیکن اسلامی عقیدے اور نظریے سے حسن و جمال بنیادی طور پر آفاقی حقیقت[۱۴] کی تجلی و مظہر ہیں۔

اس بنا پر تعجب نہیں کیا جانا چاہیے کہ اسلامی فنون لطیفہ کے مطالعے میں جدید علم بیشتر امور میں منفی احکام صادر کرنے سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ منفی احکام اکثر و بیشتر یا کم از کم مغرب کی چند ہی عالمانہ کتابوں میں اسلامی فنون کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ اور سب ہی مختلف درجات میں ایک ہی بات بیان کرتے ہیں (جن کی شرح آئندہ شمارے میں کی جائے گی۔)

حوالے:

1-TITUS BURKHARDT.
2-ART OF ISLAM.
3-STUDIES IN COMPARATIVE RELIGION.
4-THE SWORD OF GNOSIS.
5-PENGUIN SERIES.
6-HARMONIOUS.
7-INTELLECTUAL INTUITION.
8-INTELLECT,
9-REASON
10-WISDOM,
11-SACRED ART,
12-FORMS.
13-TRADITION.
14-UNIVERSAL TRUTH.

ہندستان میں فارسی ادب

از: پروفیسر سید جعفر رضا

ہندوستان میں فارسی زبان مسلمانوں کے عروج وزوال کی تقریباً چھ سو سال کی داستان بیان کرتی ہے جو قرون وسطیٰ میں ہند اسلامی تہذیب کی تعمیر و تشکیل میں کلیدی اہمیت کی حامل ہے' اس کے مختلف اور متعدد ابعاد ہیں۔ اس زبان نے پہلی بار ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی بنیاد رکھی' تشکیل وتعمیر کی اور ہندوستانی تہذیبی وسماجی زندگی کو ناقابل تقسیم ورثہ عطا کیا۔ ہندوستانی زبانوں کی لفظیات پر نظر ڈالئے' فارسی (اور اس کے توسط سے عربی بھی) کے اثرات ناگزیر نظر آئیں گے جن میں ہند و آریائی خاندانوں کی زبانیں ہندی' گجراتی' مرہٹی' بنگالی' سندھی' پنجابی کے علاوہ تیلگو' تمل کنڑ' اور ملیالم میں بھی فارسی الفاظ شامل ہیں۔ اس کے علل واسباب قرون وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ میں تلاش کیے جاسکتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان غیر ملکی باشندے کی حیثیت سے سکونت پذیر نہیں تھے بلکہ سرزمین ہند سے وابستہ ہو کر مقامی رنگ و آہنگ میں ڈھل گئے تھے۔

لسانی زاویہ نظر سے ادبی' تاریخی اور جغرافیائی شواہد کی روشنی میں آریاؤں کے ابتدائی وطن کے بارے میں قطعی فیصلہ ممکن نہیں ہو سکتا لیکن آریوں کی ہندوستانی اور ایرانی زبانوں مثلاً سنسکرت' پالی' اوستا اور فارسی کے تقابلی مطالعہ میں معنی خیز مماثلتیں نظر آئیں گی۔ حتیٰ کہ ان زبانوں کا رشتہ یونانی' لاطینی اور ٹیٹنک وغیرہ زبانوں سے وابستہ ہو جاتا ہے۔۱

اس دل چسپ موضوع پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کرنے کا محل نہیں۔ ڈاکٹر احسان یار شاطر نے سنسکرت' اوستا اور فارسی الفاظ کا تقابلی مطالعہ کر کے ان زبانوں میں باہمی روابط کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔۲ ڈاکٹر عبدالرشید نے فارسی میں ہندی الفاظ کی فرہنگ مرتب کی جس میں فارسی میں سنسکرت اور ہندی الفاظ' معرب اور مفرس الفاظ' ترکیبات' مشتقات' تصرفات فارسی دانان ہندوستان' ہندی محاوروں کا فارسی میں ترجمہ اور فارسی فرہنگوں میں ہندی مترادفات پر بحث کی ہے۔۳

ہندوستان میں فارسی ادب کی تاریخ سلطان محمود غزنوی کے فتح پنجاب (۲۲-۱۰۲۱ء) سے شروع ہوتی ہے جب پنجاب غزنی مملکت کا جزء بنایا گیا' نتیجہ میں متعدد ترک' افغان اور ایرانی' باشندۂ پنجاب ہو گئے۔ ان میں ادباء و شعراء بھی تھے۔ عہد غزنوی کے شعراء میں خواجہ مسعود سعد سلمان (م۔۵۱۵ھ=۱۱۲۱ء) کو خصوصیت حاصل ہے۔۴ مسعود سعد سلمان پنجاب میں پیدا ہوئے' لاہور کو مادر وطن کہتے تھے:

اے لاہور ویحک بے من چگونہ ای
بے آفتاب تابان روشن چگونہ ای
تا این عزیز فرزند از تو جدا شدہ است
با درد او بہ نوحہ وشیون چگونہ ای

موصوف ۴۰ سال کی عمر میں عتاب شاہی کا شکار ہوئے اور سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۹۸ء) نے قید میں ڈال دیا۔ ان کی عمر عزیز کے ۱۹ سال قید میں گزرے۔ قصیدہ نگاری میں اساتذہ فن میں شمار کیے گئے۔

ہندوستان میں فارسی نثر کی پہلی کتاب کشف المحجوب ہے جو معروف صوفی بزرگ سید ابوالحسن ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۰ء) کی تالیف ہے جو اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے اور تصوف میں اساسی حیثیت رکھتی ہے جس سے بعد کے ادوار میں تقریباً تمام صوفیائے کرام نے کسب فیض کیا۔ علاوہ ازیں ابوالفرج رونی' حمید الدین ثنائی لوکھی (التمش کے جانشین سلطان ناصرالدین محمود کا معاصر)' سراج الدین سراجی یا سراج' (مقتول۔ ۶۵۲ھ/ ۱۲۵۴ء)' تاج الدین ریزہ (م۔ ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء)' جمال الدین ہانسوی (م۔ ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء) اور شہاب الدین مہمرہ بدایونی (م۔ قبل از ۶۹۵ھ=۱۲۹۵ء) کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں فارسی کے پہلے اہم شاعر امیر

خسرو دہلوی (م-۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) ہیں جنہیں طوطیِ ہند کہا جاتا ہے۔ وہ بیک وقت بلند پایہ شاعر 'ادیب' مورخ ہونے کے علاوہ موسیقی میں استادانہ درک رکھتے تھے۔ انہیں سے زبان ہندوی (موجودہ اردو) میں شاعری کی ابتداء ہوئی۔ ان کے فارسی کلام کے پانچ دواوین ہیں — تحفۃ الصغر' وسط الحیوۃ' غرۃ الکمال' بقیہ نقیہ' اور نہایت الکمال' ان دواوین میں قصائد' غزلیات' قطعات اور رباعیات ہیں۔ انہوں نے نظامی گنجوی کے طرز پر مثنوی کے خمسے بھی نظم کیے جن کے نام ہیں مطلع الانوار' شیرین خسرو' مجنوں ولیلیٰ' آئینۂ سکندری' اور ہشت بہشت۔ بعض تاریخی

☆ ہندوستان میں فارسی کو مغلوں کے دورِ حکومت میں اوجِ کمال حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ اس دور میں فارسی شعر وادب کا مرکز ایران سے ہندوستان منتقل ہوگیا۔ دہلی اور آگرہ کو بخارہ واصفہان کا رتبہ حاصل ہوگیا' مشرقی یو۔پی۔ کو شیراز ہند کہا گیا' دکن میں حیدر آباد کو طوس کا درجہ حاصل ہوا' علماء وفضلاء کی بڑی جماعت قطب شاہیوں کی سرپرستی کی بنا پر یکجا ہوگئی۔

مثنویاں بھی کہیں جن میں دیول رانی خضر خاں' نہ سپہر' اور تغلق نامہ اہم ہیں۔ ان کی نثری تحریروں میں خزائن الفتوح' اور اعجاز خسروی کے علاوہ' ان کے مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء (م-۱۳۲۵) کے ملفوظات پر مشتمل' افضل الفوائد' بھی منسوب ہے۔ خسرو بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے لیکن تمام اصناف پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ سرزمین ہند کی زبان' تاریخ' تہذیب وتمدن' رسم ورواج' موسم' پیڑ پودے' دست کاری ودستکاری —— ہر چیز سے خسرو کو والہانہ عشق ہے۔ اس عشق سے تجربے ان کی شاعری کو بقائے دوام عطا کرتے ہیں۔ اپنی مثنوی "دیول رانی خضر خاں" میں باغ کی سیر دکھائی ہے جس میں چمپا' کیوڑا' مولسری' کرنہ جوہی وغیرہ کی تعریف کے بعد لکھا ہے کہ ہندوستان میں ان پھولوں کی اتنی قدر نہیں ہوتی' جس کے یہ مستحق ہیں اگر یہی پھول روم یا شام میں ہوتے تو ان کی زیادہ پذیرائی ہوتی۔

چہ نبی ارغوان ولالہ خندان
کہ رنگے ہست وبوئے نیست چندان
گر این گل خاستے در روم یا شام
کہ بودے پارسی یا تازیش نام

امیر خسرو کے جگری دوست امیر حسن علاء سجزی (م-۷۳۷ھ/۱۳۳۶ء) بھی غزل گوئی میں ان کے ہم پلّہ تھے۔ حتیٰ کہ بعضے ان کو امیر خسرو پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا لقب سعدیِ ہند ہے۔ ان کی تالیف فوائد الفواد' تصوف کی معروف کتابوں میں ہے جو ان کے مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سلطان محمد فخری بن امیری ہروی نے اپنے قیام سندھ کے دوران حاکم ٹھٹھہ وسندھ شاہ ارغون (م-۱۶۵۳ء) کے لئے روضۃ السلاطین اور صنائع الحسن' لکھی۔ روضۃ السلاطین کے باب پنجم سے ہفتم تک ہندوستان کے سلاطین اور شہزادوں کا ذکر ہے اور ان کا منتخب کلام بھی پیش کیا گیا ہے— صنائع الحسن علم عروض اور قوافی پر لکھی گئی۔ ان کی ایک اور کتاب جواہر العجائب ہے جسے انہوں نے اولاً شاہ حسن ارغون کی بیگم حاجی ماہ بیگم کے نام معنون کیا پھر دربار مغلیہ میں رسائی حاصل کرنے کے لئے اکبر کی دایہ ماہم انگہ بیگم' کے نام معنون کر دیا اس تذکرے میں فارسی شاعرات کا ذکر ہے۔

ہندوستان میں فارسی کو مغلوں کے دورِ حکومت میں اوجِ کمال حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ اس دور میں فارسی شعر وادب کا مرکز ایران سے ہندوستان منتقل ہوگیا۔ دہلی اور آگرہ کو بخارہ واصفہان کا رتبہ حاصل ہوگیا' مشرقی یو۔پی۔ کو شیراز ہند کہا گیا' دکن میں حیدر آباد کو طوس کا درجہ حاصل ہوا' علماء وفضلاء کی بڑی جماعت قطب شاہیوں کی سرپرستی کی بنا پر یکجا ہوگئی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی محمد ظہیر الدین بابر (م-۲۶/دسمبر ۱۵۳۰ء) عظیم فاتح ہونے کے علاوہ شعر وادب کا فطری ذوق رکھتا تھا ترکی میں شعر کہتا تھا ترکی ادب میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے لیکن بسا اوقات واردات قلبی فارسی شعر کا قالب اختیار کر لیتے تھے۔ اسی کی جانب یہ شعر منسوب ہے:

نوروز و نو بہار و می و دلبرے خوش است
بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

حالانکہ اس شعر کو اکثر محققین بابر کی تخلیق ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ شعر بابر کو بہت پسند تھا' اس نے اس شعر کو کابل میں ایک حوض پر کندہ کرایا تھا جس کے کنارے اپنے خوش باش دوستوں کے ساتھ محفل عیش ونشاط گرم کرتا تھا۔ بابر کی فارسی شاعری کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے![5] "بزبان فارسی نیز اشعار دل پذیر دارند' از آن جملہ این رباعی از واردات طبع فیاض آنحضرت

ات:"

درویشان را گرچہ نہ از خویشانیم
لیک از دل وجان معتقد ایشانیم
دوراست مگوئی شاہی از درویشی
شاہیم ولی بندۂ درویشانیم

اس طرح چندیری فتح ہوا تو بابر نے "فتح دارالحرب" سے تاریخ نکالی (۹۳۴ھ / ۱۵۲۷ء) اور اسی وقت یہ اشعار موضوع کیے۔۷

بود چندی مقام چندیری
پر ز کفار دار حربی ضرب
فتح کردم بہ حرب قلعۂ او
گشت تاریخ "فتح دارالحرب"

بابر فصیح البیان شاعر وادیب تھا۔ عام گفتگو میں مصرعوں اور محاوروں کا برمحل استعمال کرتا تھا۔ بابر نے ایک رسم الخط ایجاد کیا تھا جو اس سے منسوب ہو کر 'خط بابری' کہلایا۔ اس خط میں بابر نے قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھ کر مکہ معظمہ بھجوایا۔ دربار بابری سے وابستہ علماء وشعراء میں شیخ زین العابدین 'شہاب الدین معمائی' ابو الواجد فارغی۔ شیخ جمالی' وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

بابر کے جانشین نصیر الدین ہمایوں (م-۱۵۵۶ء) کو شعروادب کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ بابر نے اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ کی تھی ماہر اساتذہ سے عربی وفارسی کی اعلا تعلیم دلائی تھی حالانکہ حالات کی ستم ظریفی نے اس کا قلبی سکون درہم برہم رکھا' اپنی بقا کے لئے اسے زندگی بھر جنگ وجدل کرنا پڑی لیکن فرصت کے اوقات میں واردات قلبی شعر کی صورت میں موزوں کرلیتا۔ ابوالفضل نے ہمایوں کے ایک مراسلے کا حوالہ دیا ہے جو ہمایوں نے کامران کو جارحانہ ارادوں سے باز رکھنے کے لئے بھیجا تھا جس میں درج ذیل اشعار تھے:۷

بود خون آن قوم برگردنت
بود دست آن جمع در گردنت
ہمان بہ کہ بر صلح رای آوری
طریق مروت بجای آوری

لیکن کامران نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا:

عروس ملک کسی در کنار گیرد تنگ
کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند

ہمایوں اپنی ہزیمت کے دوران جیسلمیر پہنچا تو بھوک وپیاس کی شدت سے سپاہیوں کو مرتے دیکھ کر تڑپ اٹھا اور یہ شعر کہا۔۸

چنان زد چاکہا گردون لباس درمندان را
کہ نی دست آستین می یابد و نی سر گریبان را

ہمایوں نے رباعیاں اور مثنویاں کہی ہیں۔ ایک مثنوی "فتح قندھار" کی یادگار ہے۔۹ جسے اس نے اپنے یار وفادار بیرم خاں کو لکھا تھا۔ ہمایوں کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔۱۰ اس کے دربار سے نامور شعراء وابستہ تھے جنہیں قصیدہ گوئی' غزل سرائی اور علم وفضل میں ناموری حاصل تھی۔ ان میں قاسم کاہی (م-۱۵۸۰ء) اور خواجہ حسین مروی صاحب دیوان شاعر تھے۔

دیگر شعراء میں شیخ گدائی دہلوی' جنوبی بدخشی' عبد الواحد بلگرامی' نادر سمرقندی اور شاہ طاہر دکنی اہم ہیں۔ اس کے زمانے میں ادبی محفلوں اور مشاعروں کا عام رواج تھا۔۱۱

عہد ہمایوں میں تاج الدین مفتی اعلا نے جلوس بادشاہ (۱۵۳۰ء) کے موقع پر سنسکرت کی مشہور کتاب 'ہتوپدیش' کے ایک حصہ 'پنج تنتر' کا فارسی میں 'مفرح القلوب' نام سے ترجمہ کیا۔ اس میں اخلاقیات پر مبنی مفید پند ونصائح ہیں۔ اسی طرح عربی سے بھی فارسی میں دو ترجمے کیے گئے۔ عربی کی کتاب الملخص فی علم الشرح مصنفہ محمد بن عمر کجینا کا فارسی ترجمہ محمد بن حسام الدین نے بادشاہ کے لیے کیا تھا۔

ہمایوں کے بھائیوں میں کامران' ہندال اور عسکری بھی شعری ذوق رکھتے تھے۔ کامران صاحب دیوان شاعر تھا' اور اس کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے ہندال اور عسکری کا ذکر مع

چند اشعار کیا ہے۔

دور مغلیہ میں فارسی کو سب سے زیادہ عروج دور اکبری (۱۶۰۵-۱۵۵۶ء) میں ہوا۔ اکبر اعظم (م۔۱۶۰۵ء) کی رسمی تعلیم نہیں ہو سکی تھی لیکن

☆بابر فصیح البیان شاعر وادیب تھا۔ عام گفتگو میں مصرعوں اور محاوروں کا بر محل استعمال کرتا تھا۔ بابر نے ایک رسم الخط ایجاد کیا تھا جو اس سے منسوب ہو کر 'خط بابری' کہلایا۔ اس خط میں بابر نے قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھ کر مکہ معظمہ بھجوایا۔

☆بابر کے جانشین نصیر الدین ہمایوں (م-۱۵۵۶ء) کو شعر وادب کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ بابر نے اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ کی تھی' ماہر اساتذہ سے عربی وفارسی کی اعلا تعلیم دلائی تھی۔

اس کو علم وفن سے بے انتہا ذوق وشوق تھا۔ حصول علم وآگہی کے لئے روزانہ مشہور ومفید کتابیں پڑھوا کر سنتا تھا۔ ابوالفضل نے ان کتابوں کی طویل فہرست درج کی ہے جنہیں اکبر روز سنتا تھا اور سننے کے بعد ان پر خامہ 'گہر بار' سے نشان بنا دیتا تھا۔ ۱۲ اکبر کو شعرو شاعری سے خصوصی رغبت تھی خود بھی شعر موزوں کرتا تھا۔ جہانگیر کا بیان ہے کہ "بدقائق نظم ونثر چنان می رسید کہ مافوق بر آن متصور نبود۔"۱۳ اکبر کی شعر گوئی کے متعلق مختلف شواہد ملتے ہیں۔ ۱۴ بعض تذکرہ نگاروں نے اکبر کے کلام کے انتخابات درج کئے ہیں ان میں سے دو اشعار ملاحظہ ہوں"۱۵

شبنم مگو کہ بر ورق گل فتادہ است
کان قطرہ ھا ز دیدۂ بلبل فتادہ است

☆ ☆ ☆

گریہ کردم زغمت موجب خوش حالی شد
ریختم خون دل از دیدہ ودلم خالی شد

اکبر فارسی شعراء کے کلام پر نقد وتبصرہ بھی کرتا جو اس کے حسن کے ذوق کا آئینہ دار ہے۔۱۶ اکبر اعظم نے فارسی زبان وادب کی ایسی زبردست سرپرستی کی جو اس سے پہلے ممکن نہ ہو سکا' البتہ ان میں چند ماہرین فن کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ دربار اکبری کا پہلا فارسی شاعر جو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوا غزالی مشہدی (م-۱۵۷۲ء) ہے مشہد مقدس کے اپنے مولد ہونے پر غزالی کو ناز تھا:

در کارگاہ چرخ اگر نیک ور بدم
این دو لتم بس است کہ از خاک مشہدم

غزالی ایران میں شاہ طہماسپ کے دربار سے وابستہ تھا۔ اس کی شان میں متعدد قصائد کہے۔ لیکن بعد میں اس کے غیظ وغضب کا شکار ہو گیا اور ۱۵۵۱ میں ترک وطن پر مجبور ہوا۔۱۷ ایران سے غزالی ہندوستان میں دکن آیا جو ہندوستان میں ایرانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔ لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی۔ اسی درمیان خانزماں علی قلی خاں صوبہ دار جونپور نے غزالی کی دکن میں ناقدری کا حال سنا اور ایک ہزار روپے اور ایک قطعہ بھیج کر اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ قطعہ یہ ہے:۱۸

ای غزالی بحق شاہ نجف
کہ سوی بندگان بیچون آئی
چونکہ بے قدر گشتہ ای آنجا
سر خود گیر و زود برون آئی

(باقی آئندہ)

حوالے:

۱۔ THEODORA BYNON: HISTORICAL LINGUISTICS P. 12 (Cambridge University Press 1977)
۲۔ احسان یار شاطر: زبانحا ولہجہ ہا لغت ہائے ایرانی' لغت نامہ علی اکبر دھخدا ج ا ص ۱۱۔۹
۳۔ عبدالرشید: فارسی میں ہندی الفاظ ص ۳۔ ۳۹۶ (نئی دہلی۔ دسمبر ۱۹۹۶ء)
۴۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب (لاہور ۱۹۷۹ء)
۵۔ ابوالفضل: اکبر نامہ ج ا ص ۱۱۸ (کلکتہ ۱۸۷۳ء)
۶۔ بابر: بابر نامہ (عبدالرحیم خان خانان) ص ۲۲۰ (نو لکشور)
۷۔ اکبر نامہ: ج ا ص ۲۴۸
۸۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ ج ا ص ۳۳۹ (کلکتہ ۱۸۶۸ء)
۹۔ ابوالقاسم ہندو شاہ فرشتہ: گلشن ابراہیمی ص ۳۵۱ (بمبئی ۳۳۔۱۸۳۱)
۱۰۔ ہادی حسن: مجموعہ مقالات ص ۱۹۷ (حیدر آباد ۱۹۵۶ء)
۱۱۔ سید علی ترکی: سفر نامہ (اردو ترجمہ) ص ۴۸
۱۲۔ ابوالفضل: آئین اکبری ج ا ص ۱۱۵ (کلکتہ ۱۸۷۲ء)
۱۳۔ جہانگیر: تزک جہانگیری ص ۱۰ (نو لکشور)
۱۴۔ گلشن ابراہیمی: ج ا ص ۵۱۸
۱۵۔ صدیق علی خان: تذکرہ روز روشن ص ۲۳
۱۶۔ آئین اکبری: ج ۲ ص ۲۳۸
۱۷۔ سعید نفیسی: نظم ونثر در ایران ودر فارسی زبان ص ۴۱۳
۱۸۔ منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۴۰

☆ ☆ ☆

قطعات

امیر انصاری
سنبھل روڈ۔ حسن پور۔ ضلع مراد آباد

دیدہ ٔ صبر میں ہوں اشک وفا تو مانگو
دل میں ہو جذبہ ٔ تسلیم و رضا تو مانگو
آج بھی فوج ابابیل اتر سکتی ہے
تم محمدؐ کے وسیلے سے دعا تو مانگو

☆☆☆

ذلت کی خطرناک ڈھلانوں پہ کھڑے ہیں
رسوائی کے انجان ٹھکانوں پہ کھڑے ہیں
اے غیرت اسلاف پھر اس بار بچالے
ہم لوگ تباہی کے دہانوں پہ کھڑے ہیں

☆☆☆

نذر طوفان ہونا پڑتا ہے
خانہ ویران ہونا پڑتا ہے
عظمتیں بھیک میں نہیں ملتیں
خود بھی قربان ہونا پڑتا ہے

☆☆☆

سوز پتھر کو تو پانی کو زبانیں دی ہیں
ہم نے جذبات و عقیدت کو اذانیں دی ہیں
ہم نے ہر لشکر باطل سے لیا ہے لوہا
ہم نے تلوار کے سائے میں اذانیں دی ہیں

☆☆☆

ظالموں کے مزاج روندے ہیں
نخوتوں کے سماج روندے ہیں
دیکھو سمجھو نہ ہم کو تم مجبور
ہم نے شاہوں کے تاج روندے ہیں

☆☆☆

محمدؐ پر یقیں اللہ کا عرفان رکھتے ہیں
متاع صبر وایماں دولت قرآن رکھتے ہیں
ادب سے بات کرنا اے زمانے ہم فقیروں سے
ہم اپنے خادموں میں اک نہ اک سلطان رکھتے ہیں

☆☆☆

امت احمدؐ ذی شان کو کھا جائے گا
دیو تفریق کا ایمان کو کھا جائے گا
اب تو آقا ہی بچالیں تو بچیں گے ورنہ
خود مسلمان مسلمان کو کھا جائے گا

☆☆☆

ذی شان ذی وقار تھے ذوی الاحترام تھے
کردار کے بلند تھے اعلیٰ مقام تھے
جھکتے تھے جن کے سامنے شاہان وقت بھی
ایسے عظیم لوگ نبیؐ کے غلام تھے

☆☆☆

جھوٹ۔ نفرت۔ جبر۔ سازش وحشتوں کے سامنے
سچ کھڑا ہے ساری باطل طاقتوں کے سامنے
رب کعبہ کی قسم میدان میں آنے تو دو
ظلم گھٹنے ٹیک دے گا رحمتوں کے سامنے

☆☆☆

ہم ایسا حوصلہ اے لشکر خونخوار رکھتے ہیں
لبوں پر نعرہ ٔ تکبیر کی تکرار رکھتے ہیں
بندھے ہیں پیٹ سے پتھر مگر تم کیا بگاڑو گے
ہم اپنے ہاتھ میں کردار کی تلوار رکھتے ہیں

☆☆☆

در مدح منتظر جہاں ٗہادی دوراں ٗ

سلطانِ عصر رواں حضرت امام مہدی آخر الزماں

عجل اللہ فرجہ الشریف

خوشخبری

جس پہ نازاں ہے رسالت وہ امامت آئے
اے خدا بارھواں اب ہادیٔ امت آئے
دین پر وقت پڑا ہے پئے نصرت آئے
پھر شریعت کے تحفظ کو امامت آئے
آپ جب تک نہیں آتے ہیں قیامت ہے بپا
آپ آئیں تو پھر ایک اور قیامت آئے
انقلاب رخ ایران بتاتا ہے ہمیں
آئے بس آئے یہاں حضرت حجتؑ آئے
آکے پھر لہجہ ٔ حیدرؑ میں سنا دے قرآں
جز ترے اور کسے نہج بلاغت آئے
التجا اہل ولا کی ہے بس اتنی مولاؑ
آپ آجایئے پھر چاہے قیامت آئے
یہ محبت کا تقاضا ہے کسی عالم میں
شکوہ آئے نہ کبھی لب پہ شکایت آئے
میں ثنا خوان محمدؐ ہوں ازل سے پیکرؔ
سامنے خاک مرے دہر کی دولت آئے

از: ڈاکٹر پیکرؔ جعفری اترولوی

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں سیمینار وحدت

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفےٰ کی سالگرہ ولادت اور ہفتہ وحدت کے موقع پر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے باہمی تعاون سے ۱۱ر جون ۱۹۹۸ء کو یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں ایک روزہ "سیمینار وحدت" کا اہتمام کیا گیا جس میں یونیورسٹی اساتذہ کی بڑی تعداد اور دیگر مقامی و غیر مقامی علماء و دانشوروں نے شرکت کی جس میں خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے سرپرست محترم ڈاکٹر علی رضا باقری مہمان خصوصی اور جناب موسیٰ رضا خصوصی مقرر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور جلسہ کی صدارت مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر محمود الرحمٰن صاحب نے کی۔

افتتاحیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار جعفری صاحب نے تمام شرکت کنندگان کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت پیغمبر اسلام صلعم وسلامتی کے پیغمبر ہیں لہٰذا ان کی ولادت باسعادت کے موقع پر جشن ہفتہ وحدت اور اس قسم کے دیگر علمی وثقافتی پروگراموں کا اہتمام نہایت مناسب عمل ہے اور اس سلسلے میں خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کا یہ ابتکاری اقدام یقیناً لائق احترام وستائش ہے۔

ہندوستان کے نامور دانشور موسیٰ رضا صاحب نے اپنی خصوصی تقریر کے دوران فرمایا کہ تاریخ بشریت میں پیغمبر اسلامؐ کے انصاف پسندانہ صلح جویانہ اور انسان دوستانہ کردار کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے انہوں نے مزید فرمایا کہ عقیدہ و مکتب فکر کی بنیاد پر مختلف سماجی اور سیاسی گروہ و جماعتوں کی موجودگی ایک دائمی انقلاب کا باعث ہوا کرتی ہے اور اسی وجہ سے مذہب اسلام میں انقلابی صفت کی جھلک ہر دور میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کے دوام کا راز اور اسلامی نظام کے عملی ہونے کا سبب یہ ہے کہ اسلام نے دنیائے بشریت کے سامنے ایک اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل پیش کیا۔ اس کے بعد انہوں نے سیمینار کے موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پیغمبر اکرمؐ پوری دنیائے انسانیت کے لئے رحمت تھے اور انہوں نے انسانوں کے درمیان وحدت وبرادری پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی لہٰذا انہیں وحدت انسانی اور وحدت امت اسلامی کی ایجاد کا محور و مرکز قرار دینا مبالغہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد عزت مآب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے "وحدت واتحاد کی بنیادیں" نامی موضوع پر اپنا گرانقدر تحقیقی مقالہ پیش کیا جس کا جملہ حاضرین نے بھرپور استقبال کیا۔ اس مقالے میں موصوف نے فرمایا کہ وحدت واتحاد، تعاون وہمکاری، الفت ومحبت نیز تفرقہ واختلاف سے دوری وعلیحدگی ایسا اہم موضوع ہے جس کے بارے میں دنیا کے تمام نامور دانشوروں نے اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کی اہمیت وافادیت کے سلسلے میں شک وتردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور کمال وترقی عظمت وبزرگی اور مقصد میں کامیابی درحقیقت وحدت کلمہ اور برادری وہم آہنگی کے بغیر نہیں حاصل کی جاسکتی ہے۔ اتحاد واتفاق ہماری بقاو ہمیشگی کا باعث ہے اور اتحاد کی طاقت جسمانی طاقت سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہم اتحاد کے سایہ میں زندگی بسر کریں تو یہ اتحاد ہماری بقاو بہتر زندگی کی ضمانت ہے۔

انہوں نے اپنے مقالہ میں مزید کہا کہ علماء ودانشوروں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے اور اجتماعیت انسان کی خدادادو فطری صفت

ہے اور انسانی معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور باہمی امداد و اشتراک کے ذریعہ انسان ترقی کی راہ میں آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں گزشتہ ادوار میں فطرت الٰہی سے خارج مسائل کی وجہ سے انسانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جایا کرتے تھے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر میں وحدت واتحاد کے اصولوں کی طرف سے بے توجہی' لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی مختلف النوع ضرورتوں میں اضافہ نیز مادی اور معنوی مسائل میں وسیع افکار و خیالات کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گئے۔

اپنے اس مختصر مقالہ میں ڈاکٹر باقری نے وحدت واتحاد کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ در حقیقت مذہب اسلام کے بنیادی اصول مثلاً توحید' رسالت' اسلام کی آفاقیت' حریت' اسلامی اخوت و برادری' سماجی تعاون و اجتماعی مسئولیت' مسجد' نماز جمعہ و جماعت کا قیام' حج اور قرآن مجید کی زبان یعنی عربی وغیرہ ایسے گرانقدر اسلامی عوامل و عناصر ہیں جو امت اسلامیہ عالم کو براہ راست یا بالواسطہ طور پر وحدت و اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔"

اس کے بعد ڈاکٹر باقری نے موجودہ دور میں اسلامی اتحاد کو توڑنے کے لئے بین الاقوامی سامراجی اور اسرائیلی سازشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ دور میں ہم لوگوں کو مستحکم اسلامی اتحاد کی حفاظت کے لئے جن باتوں کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا چاہئے وہ یہ ہیں ا۔ وحدت عقیدہ ۲۔ وحدت عمل ویکجہتی ۳۔ وحدت قیادت و رہبری ۴۔ وحدت مقصد و ارمان ۵۔ وحدت روحانیت' اخلاق و صفات ۶۔ وحدت فرہنگ و ثقافت۔

اپنے مقالہ کے آخری حصہ میں ڈاکٹر باقری نے فرمایا کہ اگر امت اسلامیہ عالم مذکورہ بالا عناصر وحدت واتحاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے آگے بڑھے تو وہ آج بھی عالمی اور آفاقی رسالت کو بخوبی انجام دے سکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر زمانے میں نبوت کا فلسفہ بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی اور اسے مختلف النوع پابندیوں اور کمزوریوں سے نجات دلاتے ہوئے

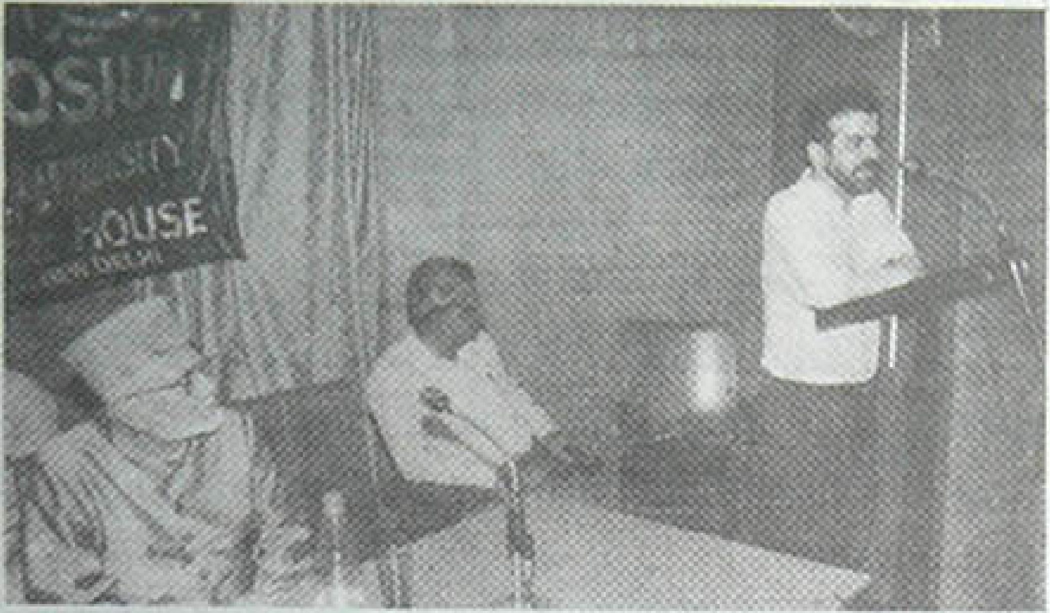

عظمت و سعادت کی منزلوں تک پہونچاتا رہا ہے اور پروردگار عالم کے آخری وپسندیدہ ترین دین کی حیثیت سے مذہب اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عصر حاضر میں دنیائے بشریت کی ہدایت کا کام انجام دے اور یہ اہم کام اور عظیم رسالت وحدت واتحاد کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا یہ امید کی جاتی ہے کہ انشاء اللہ دنیا کے تمام مسلمان اس مشن کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔"

مقالہ ختم کرنے کے بعد انہوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ اور امام جعفر صادق کی سالگرہ ولادت کے سلسلے میں تمام حاضرین کی خدمت میں پر خلوص مبارکباد بھی پیش کی۔

افتتاحیہ اجلاس کے آخری مرحلہ میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر محمود الرحمن صاحب نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انہوں نے کہا کہ دنیا کے تمام انبیاء کرام اور بانیان ادیان و مذاہب کے درمیان جامعیت کے اعتبار سے پیغمبر اکرمؐ کی ذات بے مثال ہے اور یہ ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف مستشرقین اور نامور مغربی دانشوروں نے بھی کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی ذات ہی تاریخ بشریت کی وہ عظیم شخصیت ہے جو دینی قائد کی حیثیت سے پوری طرح کامیاب رہی ہے۔

اس کے بعد موصوف نے مذہب اسلام کی امتیازی صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل وحدت ادیان' مذہب اسلام کا ایسا اہم اصول ہے جس پر ہر مسلمان کا عقیدہ وایمان ہے اور گزشتہ پیغمبروں پر عقیدہ وایمان مذہب اسلام کا ایک اہم جز ہے۔ اصول توحید اور پیغمبروں کی مشترکہ تعلیمات کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید واضح لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ خداوند عالم کی

طرف سے بھیجے گئے تمام انبیاء علیہم السلام نے فقط ایک ہی بنیادی اصول کی تعلیم کا کام انجام دیا اور وہ اصول توحید ہے۔

اس کے بعد مذہب اسلام نے عقل و دانش اور تحصیل علم کو خصوصی اہمیت عطا کی ہے بلکہ اس کو مذہب اسلام کی گرانقدر نعمت کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اپنے صدارتی خطبے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے محمود الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ وحدت انسانی اور عالمی برادری کی تشکیل اسلام کا مقصد رہا ہے کہ نسلی، طبقاتی، قومی، ملکی، مذہبی، لسانی اور ثقافتی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے اور دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان مکمل وحدت و اتحاد قائم ہو جائے۔ مشورت کی بنیاد پر جمہوری نظام کی تشکیل ہی جمہوری نظام کا جوہر ہے۔ مذہب اسلام میں شوریٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے لہذا پیغمبر اسلامؐ ہی دنیا میں جمہوری نظام کے حقیقی بانی ہیں۔

اس کے علاوہ محمود الرحمٰن صاحب نے مذہب اسلام میں انسانی حقوق اور اقتصادی نظام کی اصلاح کو مذہب اسلام کی دوسری عظیم نعمتوں کی حیثیت سے پیش کیا۔

اس کے بعد سہ پہر مقالہ خوانی کا دوسرا دور شروع ہوا جس میں مفتی عبد القیوم، پروفیسر اظہر دہلوی، مولانا کاظم نقوی، پروفیسر چغتائی، پروفیسر جعفر رضا زیدی، پروفیسر ڈاکٹر رفیق، پروفیسر شاہ وسیم، ڈاکٹر قیم الدین، مولانا مسعود عالم قاسمی، جناب تفسیر الحسن اور محترمہ نسیم زہرا نے اپنے گرانقدر مقالات پیش کئے۔

رضا لائبریری رامپور میں چار روزہ کل ہند سیمینار و نمائش اور مشاعرہ پروگرام

رضا لائبریری رامپور کی جانب سے لائبریری کے دو سو سالہ تاسیس نیز ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر (۲۵ر جولائی سے ۲۸ر جولائی ۱۹۹۸ء) ایک چار روزہ سیمینار و نمائش و مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ملک و بیرون ملک کے نامور علماء و اساتذہ نیز گرانقدر مصنفین اور شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔

اس علمی و ادبی و ثقافتی پروگرام کے افتتاحیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اس کے بعد اتر پردیش کے گورنر عزت مآب سورج بھان صاحب نے افتتاحیہ تقریر فرمائی۔ گورنر موصوف نے ہندوستان کی آزادی اور رضا لائبریری کی اہمیت پر مختصر مگر جامع تقریر فرمائی۔ اس کے بعد موصوف نے عبد السلام خاں کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے پیش نظر مبلغ ر ۵۱۰۰۰ روپیہ کا نقد انعام اور ایک شال عنایت فرمائی۔

افتتاحیہ اجلاس کے بعد علمی اجلاس کا سلسلہ شروع ہوا۔ پورے پروگرام کے دوران کل چار علمی اجلاس ہوئے جس میں ہندوستان اور بیرون ہند سے آئے ہوئے نامور دانشوروں نے اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے جن میں پروفیسر ظہیر الدین ملک، پروفیسر امیر حسن عابدی، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر عبد الودود اظہر دہلوی، پروفیسر شعیب اعظمی، پروفیسر ناہید آذر میدخت صفوی اور پروفیسر نثار احمد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

پروگرام کے آخری دن یعنی ۲۸ر جولائی ۱۹۹۸ء کو شب میں ایک شاندار مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت ہندوستان کے مایہ ناز و ہر دلعزیز شاعر کیفی اعظمی صاحب نے کی۔ انہوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ اگر مشاعرے برابر ہوتے رہیں تو اردو کے خلاف زہر افشانی کا سلسلہ ختم ہو سکتا ہے اور اردو زبان کو فروغ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مشاعرہ میں شریک پاکستانی شاعر قتیل شفائی نے اپنا کلام پیش کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا کہ نوابین رامپور کا تذکرہ، میں اکثر سنا کرتا تھا لیکن رضا لائبریری ان بزرگوں کی عظمت و بزرگی کا پتہ دیتی ہے۔

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے آزادی ہند تحریک میں شعراء کی گرانقدر خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی مدلل اور معنی خیز بات کہی کہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں شعراء نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ گول میز کانفرنس کے دوران غلام وطن کی آزادی کا پروانہ لئے بغیر وطن واپس نہ لوٹنے کی قسم کھانے والا مجاہد آزادی محمد علی جوہر بھی ایک شاعر تھا۔

واضح رہے کہ رضا لائبریری رامپور ہندوستان کی گزشتہ ڈھائی صدیوں کی ادبی، ثقافتی، علمی و فنی اور تاریخی و تحقیقی میراث کی امین و محافظ ہے اور اس عظیم سرمایہ کا تحفظ ہر علم دوست کا بنیادی فریضہ ہے۔

آپ کا صفحہ

محترم قارئین نے لکھا ہے:

ماہنامہ راہِ اسلام یقیناً ایک معیاری رسالہ ہے جس میں تاریخ اور تفسیر و عقائد کے ساتھ ساتھ آج کے حالات کے تقاضوں کے تحت مضامین ہوا کرتے ہیں۔

سید سرور امام قمی، شیعہ جامع مسجد
کشن گنج (بہار)

☆☆☆☆

اس کا مطالعہ راہِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لئے ضمیر کو جگانے میں ممد و معاون ہے۔

کاوش بدری، انجمن تعمیر نو، امبور
(جنوب ھند)

☆☆☆☆

راہِ اسلام کا شمارہ ۱۶۹-۱۷۰، مئی۔ جون ۱۹۹۸ء موصول ہوا۔ اس شمارے کا ایک ایک مضمون بے حد تحقیقی اور معلوماتی تھا۔ قرآن کریم کی سورتوں کی وجہ تسمیہ پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھی۔ قافلۂ جہاد و پیام تو بار بار پڑھا، اور ہر بار ایک نئی روح کو ہر آبدار سے مزین معلوم ہوئی۔

خالد حسین، رام پور اوریا (بہار)

☆☆☆☆

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایران کی سیاسی خبریں زیادہ شامل کریں تاکہ ہم مغربی میڈیا کے نامطلوب پروپگنڈے سے محفوظ رہیں۔

مومن سلیم بھائی عباس بھائی، مومن
واڑہ واسو (گجرات)

☆☆☆☆

ہر طبقے کے انسانوں کیلئے دینی و دنیوی معلومات کا اعلیٰ ترین خزانہ ہے۔ زبان کی سلاست اور بیش بہا مضامین انسانی دماغوں کے لئے گہرے نقوش کے ضامن ہیں۔

سید سعادت حسین علوی
بہالدارپورہ، ناگپور (مہاراشٹر)

☆☆☆☆

یہ جریدہ اس پُر آشوب دور میں مینارۂ نور ہے۔ آج چاروں طرف خود فراموشی کا رواج ہے۔ راہِ اسلام ہمیں سچائی پر چلنے کی راہ دکھاتا ہے۔

جتن سنگھ ورک، سرسا (ھریانہ)

☆☆☆☆

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کی رہبری میں نہ صرف اسلامی جمہوری ایران بلکہ ملت اسلامیہ عالم کا مستقبل شاندار ہے۔ وہ ماہنامہ راہِ اسلام کے مضامین سے صاف نظر آتا ہے۔ پاک پروردگار مزید کامیابی عطا کرے۔ آمین

ایڈیٹر "گجرات ٹوڈے" شاہ عالم روڈ
احمد آباد (گجرات)

☆☆☆☆

راہِ اسلام امت مسلمہ کی وحدت و ترقی کا علمبردار ہے اور ساری دنیا میں غلبۂ اسلام کا نقیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

عبد السلام صدیقی، ریسرچ اسکالر
شعبۂ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
(یو۔پی)

☆☆☆☆

راہِ اسلام اردو زبان میں شائع ہونے والا ایک ایسا معیاری رسالہ ہے جس کے ذریعہ دنیائے اردو میں قرآن و احادیث اور اسلامی تمدن و تاریخ اور فلسفے سے متعلق جلیل القدر قلم کاروں کے مقالات حاصل ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ماہنامہ ایک مکمل اسلامی جریدہ ہے جو برصغیر میں اسلامی تعلیمات کا نور پھیلانے میں ممتاز مقام پر نظر آتا ہے۔

شاھد بڈگامی، ایڈیٹر ھفت روزہ
"بڈشاہ" بڈگام، سرینگر، کشمیر

☆☆☆☆

راہِ اسلام اتحاد بین المسلمین کا واحد نقیب، مذہبی نظریات کی قرآن کی روشنی میں صحیح ترجمانی، اقتصادی، سماجی، تاریخی اور دیگر دنیوی مسائل پیش کر کے ان کے حل تلاش کرنے کی سعی، مذہب اسلام کی نشر و اشاعت، تبلیغ اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیائے اسلام کا واحد جریدہ ہے جو محبت و اخوت اور مل جل کر رہنے کی حکمت کی تبلیغ کر رہا ہے۔

سید حسین زیدی، مفلت گنج، لکھنؤ

☆☆☆☆

راہِ اسلام ایک بہترین رسالہ ہے جس میں ایران کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں خصوصاً ایران کے فنون لطیفہ و ثقافت کے متعلق۔ اگر ان تمام مضامین کے ساتھ ایران کی سیاسی و سماجی خبریں بھی زیادہ تعداد میں شائع ہوا کریں تو بہتر ہوگا۔

عبد التواب، موضع لچھمی نگر، ضلع
بلرام پور (گونڈہ)

☆☆☆☆

راہِ اسلام اتحادِ ملت کا بہترین جریدہ ہے۔ راہِ اسلام نے سسکتی ہوئی انسانیت کو شفا بخشی ہے اور منتشر اجزائے ملت کو یکجا کر کے قوی بنایا ہے۔ اس نے ایسی بصارت و بصیرت عطا کی ہے کہ ملت اپنے دوست و دشمن کو پہچان سکتی ہے۔

سید عزیز الحسن باقری، سید نگلی
ضلع جے۔پی۔ نگر (امروھہ)

آپ کے سوالات
آپ کے جوابات

محمد یوسف گلکار (سید حمید پورہ، نواب بازار، کشمیر) نے مندرجہ ذیل دو سوالات کے جواب دریافت کئے ہیں۔

قارئین کرام ان سوالوں کے جواب لکھیں، ہم ان کے نام کے ساتھ آئندہ شمارے میں اسی صفحہ پر شائع کریں گے۔

یہ آپ کا صفحہ ہے لہٰذا آپ بھی اس صفحہ کے لئے اس قسم کے مختصر سوالات لکھئے دیگر قارئین کرام جواب تحریر فرمائیں گے۔

سوال ۱۔ قرآن کریم کی روشنی میں "ذوالقرنین" وقت کا پیغمبر تھا یا کوئی بادشاہ؟

سوال ۲۔ قرآن و حدیث و اسلامی تاریخ کی روشنی میں یا اس منظر میں "ثقلین" کن عظیم شخصیتوں کی طرف اشارہ ہے یا بطور پیار محبت عزت و احترام کن سے منسوب ہے؟

مندرجہ ذیل حضرات کے تجزیاتی گرامی نامے بھی موصول ہوئے ہیں:

۱۔ محمد یوسف گلکار۔ سری نگر۔ کشمیر
۲۔ مولانا سید حسین علی عابدی اعظمی۔ نجفی ہاؤس۔ بمبئی۔
۳۔ سید محمد تواب زیدی۔ لکھنؤ (یو۔پی)
۴۔ سید اشتیاق علی علوی۔ لکھنؤ (یو۔پی)
۵۔ ڈاکٹر تمیزہ فاطمہ۔ امروہی۔
۶۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد۔ سلطان پورہ۔ حیدر آباد۔
۷۔ پروفیسر محی الدین۔ احمد آباد (گجرات)
۸۔ محمد اسلم رضوی۔ سری نگر۔ کشمیر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (باقی صفحہ ۵۴ پر)

اسلام جملہ ادیان و مذاہب کو گفتگو کی دعوت دیتا ہے۔

وزیر فرہنگ و ارشاد اسلامی ایران کا بیان

وزیر فرہنگ و ارشاد اسلامی ایران ڈاکٹر سید عطاء اللہ مہاجرانی نے تنظیم فرہنگ و روابط اسلامی نامی ادارہ سے وابستہ اعلیٰ عہدیداروں سے اپنی حالیہ ملاقات کے دوران اس موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی میں ہمارا کام دین کی تبلیغ ہے اور اس مقصد کے لئے دینی امور و مسائل میں روشن فکری کی ضرورت ہے۔"

اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے وزیر محترم ڈاکٹر مہاجرانی نے دینی مسائل و معاملات میں روشن فکری کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "ادیان و مذاہب کے درمیان مشترک کلمہ توحید کو اس روشن فکری میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

وزیر محترم نے اپنی اس مختصر مگر جامع تقریر کے دوران تنظیم فرہنگ و روابط اسلامی کی سرگرمیوں پر اطمینان ظاہر کرتے ہوئے اس ادارہ کی کارگزاریوں کو لائق تحسین و آفرین قرار دیا۔

اس پروگرام کے دوران تنظیم فرہنگ و روابط اسلامی کے سربراہ آیت اللہ تسخیری نے اپنی تقریر میں اس تنظیم کی کارگزاریوں پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ارزش و اہمیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی کا یہ ادارہ بذات خود ایک کابینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

جشن سیرت

دہلی۔ (۱۲ر جولائی) آج یہاں جامع مسجد چوک پر ایک پُر شکوہ جلسہ "میلاد النبیؐ" منعقد کیا گیا۔ جس میں علماء کرام اور اہم سیاسی و سماجی شخصیات نے رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالی۔ جلسے کا اہتمام آل انڈیا شیعہ سنی یونائیٹڈ فرنٹ کی جانب سے کیا گیا تھا۔

رسول اکرمؐ کی ولادت باسعادت اور ہفتہ وحدت مسلمین کی مناسبت سے ہندستان کے گوشہ و کنار میں عظیم الشان جلسے جلوس منعقد کئے گئے۔ دہلی میں بھی متعدد جگہ جلسے ہوئے۔ کئی جلوس بھی برآمد کئے گئے۔

مذکورہ جلسے کو جن اہم شخصیات نے خطاب فرمایا ان میں ڈاکٹر محمد رضا باقری سرپرست رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران دہلی، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (ایم۔ پی) جناب سی۔ ایم۔ ابراہیم (سابق مرکزی وزیر) حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی، ڈاکٹر مولانا کوثر یزدانی، مولانا سید عقیل الغروی اور مولانا شاہین جمالی صاحبان شامل تھے۔

بقیہ محترم قارئین نے لکھا ہے۔

۹۔ سید انور حسن زیدی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔
۱۰۔ محمد بلال طاہر۔ مالیر کوٹلہ۔ پنجاب۔
۱۱۔ شفیع احمد شریف۔ میسور۔ کرناٹک۔
۱۲۔ سید فضیلت مہدی۔ کانپور (یو۔ پی)
۱۳۔ محمد ادریس انصاری۔ پالمیر گنج۔ (بہار)
۱۴۔ مولوی غلام حسین باقری۔ ناگپور۔
۱۵۔ سید ناصر حسین جعفری۔ علیگڑھ (یو۔ پی)
۱۶۔ محمد آصف محمد عفان۔ دھولیا (مہاراشٹر)
۱۷۔ عابد رضا محمد آبادی۔ جون پور (یو۔ پی)
۱۸۔ پروفیسر ایس۔ ایم۔ طلحہ رضوی برق۔ پٹنہ (بہار)
۱۹۔ سید ضیاء الحسن جعفری۔ حیدر آباد۔
۲۰۔ مظفر حسین حجام۔ ماگام۔ کشمیر۔
۲۱۔ مشتاق احمد۔ در بھنگہ (بہار)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (باقی آئندہ)

لائبریریوں اور دیگر اداروں کے مہتمم حضرات نے بھی تجزیاتی خطوط تحریر فرمائے ہیں:

۱۔ سکریٹری رضا لائبریری۔ دھرم پور۔ (بنگال)
۲۔ سکریٹری یوتھ لائبریری انٹرنیشنل۔ بارہ بنکی۔ (یو۔ پی)
۳۔ جماعت اسلامی ہند۔ جے پور۔ (راجستھان)
۴۔ کتب خانہ ابوتراب۔ بڈگام۔ (کشمیر)
۵۔ ماہنامہ انشاء۔ کلکتہ (بنگال)
۶۔ لائبریرین مینٹل پبلک لائبریری۔ رامپور۔ (یو۔ پی)
۷۔ رفعت لائبریری۔ امروہہ (یو۔ پی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (باقی آئندہ)

RAH-E-ISLAM

No.171-172, July-August, 1998

Editor, Printer, Publisher:
Mohammad Reza Bagheri

Contents

Islamic Awakening and Unity (*Editorial*)

Ayatullah-ul-Uzma **Syed Ali Khamenei's** Important Message

Address of Hazrat Ayatullah-ul-Uzma **Syed Ali Khamenei**

Persian Literature in India

Architecture of Mosques

Islam Invites all Religions to have a Dialogue for Unity

Unity Seminar at the Aligarh Muslim University

The Messenger of Husaini Revolution: **Hazrat-e-Zainab** (PBUH)

Unity and Harmony

An Introduction to 'Irfan

The *Rah-e-Islam* monthly magazine has allocated some of its pages for English articles. The honourable readers may send their papers to us on the address given below.

Address:
The Editor, RAH-E-ISLAM
18, Tilak Marg, New Delhi-110001
Tele.: 3383232-4 Fax. No.3387547

Islamic Awakening and Unity

The history of the rise and fall of human civilisation and its critical and analytical study has proved that apart from good and qualitative values, the spiritual qualities also play a pivotal role in the over all growth and development of human civilisation. Besides, all major and prominent civilisations have either directly or indirectly been associated with prophets and messenger of the Almighty who had been guiding the human society towards the ultimate goal of glory and success. This shows the most prominent role that religion plays in the development of human civilisation. When the followers of a civilisation ignore the importance of religion and its leaders deviate from the right path then the speedy process of the decline of that civilisation begins. When we look towards such civilisations from outside, we feel that they are flourishing but in fact they, because of not being strong and stable from inside, ultimately get annihilated.

The history of mankind is a witness to the fact that Islam emerged at a time when the human civilisation as well as the religions prevailing all over the world had already deviated from the right path to such an extent that centre of monotheism was converted into a place for idols and there was complete darkness. Islam then started showing them the right path. In pursuance of the tenets and principles of Islam, the human civilisation made tremendous progress in almost every field of life when Europe was plunging into the ocean of ignorance. Not only Muslim but non-Muslim European scholars of high repute have admitted the scholarship of Muslim scholars and their great contributions to the promotion of almost every branch of science and knowledge which are the integral parts of human civilisation.

Islam is a very strong and stable religion because it is based on the holy book Quran and its prophet is the last messenger of God and its aim is to liberate mankind from the clutches of evil and corruption. It reached the peak of its glory within a short period but the process of its decline started sometimes later. The main reason of the downfall of Islamic civilisation is, in fact, because of the distance between the teachings of Islam and those Muslims who have deviated from the right path of divine reality and have paid no attention to the deep study and research in the various areas of human society, and who have rather indulged themselves in various kinds of undue national, racial and religious divisions and differences. Such people could not realise the role that Islam plays in the establishment of social justice, in protecting the rights of individuals and societies and in shaping a flourishing human society. Finally, the differences prevailing among the leaders of various Islamic factions have enabled the enemies of Islam to give a severe blow to the followers of Islam who are currently facing massacre and a high degree humiliation. They are being subjected to all kinds of inhuman oppressions all over the world because of the disunity among themselves.

At present America and the Israeli Zionists are the real enemies of Islam and the Muslims. They are actively engaged in hatching such conspiracies and engineering such plots which could result in the killing

of Muslims at the hands of their fellow brothers. Under such circumstances we, as true followers of Islam, should be closely associated with the teachings of Islam and should give the message of unity not only to Muslims but also to the world of humanity, for, Islam had arrived to show the path of glory to mankind. We should realise the fact that bad defence of a goal or mission proves more fatal than the blows of enemies. Under the existing circumstances we have to defend the Islam of Prophet Muhammad (PBUH) and we should not allow the enemies of Islam to interpret its principles according to the wishes and desires of their masters.

Two decades ago, the people of Iran under the able guidance of their departed leader Imam Khomeini had started an Islamic movement for the revival of Islamic values and for making them practical in all fields of life. The purpose of this movement was to awaken the people and to make them understand the importance of unity. This movement emerged victorious and an Islamic Republic government was established on the basis of the philosophy of *Vilayat-e-Faqih*. The enemies of Islam were in the hope that the Islamic Republic of Iran will be put into isolation after our beloved spiritual leader Imam Khomeini had achieved his heavenly abode, but they remained disappointed to see that the Islamic Republic of Iran is making all kinds of progress under the able guidance of Hazrat Ayatullah-ul-Uzma Syed Ali-e-Khaminei and the people of Iran are determined to continue this Islamic movement till the appearance of Imam Mahdi who is the real custodian of Islam. ●

Ayatullah-ul-uzma Syed Ali Khamenei's message

ON

THE TRAGIC AND INHUMAN MASSACRE OF INNOCENT AFGHAN PEOPLE BY THE TALIBAN MILITIA

The reports about the tragic and inhuman killings of the innocent and oppressed people of Afghanistan is a matter of deep concern and profound sorrow not only for the Muslims of the world but also for all those who love freedom and humanity. This barbaric massacre of innocent and defenceless civilians in Afghanistan reminds the muslims and the whole humanity of their responsibility too. The ghastly crime of massacring the innocent and defenceless people in the city of Mazar-e-Sharif and the act of martyring of a group of Iranian diplomats and journalists, who were engaged in performing their diplomatic and journalistic duties, were such extra-ordinary criminal acts caused by the oppressive and despotic Taliban group that the Islamic nations and governments should have started a serious movement against this militant group, which is communal agent of a foreign forces and is totally ignorant of the teachings of Islam and of the basic norms and principles of the human world.

Now, the oppressiveness and ruthlessness of the Taliban militants in Central Afghanistan and Bamiyan province are more barbarous and inhuman than its previous tyrannical activities.

This virtual massacre is of those people who had bravely defended their honour and dignity in spite of the inhuman atmosphere of poverty and prolonged sanctions and who had also proved their chivalrous stability during the former Soviet occupation of Afghanistan by offering the valuable sacrifices of their beloved youths who had embraced martyrdom for the liberation of their homeland. Now the people of this region are being slained for not bowing before the Taliban stooges. It is reported that the Taliban leaders have issued orders to kill the people of this region who are more than seven years of age. It is also reported that the fighter planes of the Pakistan Air Force had also participated in the recent bombings of the Bamiyan province and were actively engaged in killing the people and devastat-

ing the region. Why the innocent people of Bamiyan province have been subjected to this barbarism? Did they commit a crime by offering commendable sacrifices for the liberation and freedom of Afghanistan? Are they facing massacre and devastation for not surrendering before the Taliban Militia, which is the creation of some of the American oil and gas companies actively engaged in engineering anti Islamic plots in collaboration with some of the army officers of Pakistan? Are the people of this region being massacred for their love and close association with the progeny of our Prophet (PBUH)? Is it the racial and religious communalism which has legalised the killings of the clean hearted Hazara community? At present the people of Iran, following the ruthless slaughter of their martyrid youths in Mazar-e-Sharif, the massacre of the innocent people in Bamiyan and for endangering the eastern border of the their homeland, are anxiously waiting with pain and indignation for the decision of the high ranking respon-sible authorities of their nation.

The undersigned makes a sincere appeal to all Muslim governments, to all committed and responsible Ulema of the Islamic world and to all kind hearted and freedom-loving muslims of the world for extending necessary help to the oppressed Hazara community and other communities of Afghanistan. I also seek assistance from the sincere Muslims of Pakistan whose handful army officials are dropping bombs on the innocent men, women and children in the Bamiyan region as agents of the US oil companies. You should not allow the inhuman Taliban group to kill millions of Afghan people any more. You should not allow the religious war and bloodshed initiated by this ruthless, barbaric and inhuman group in Afghanistan to spread (God unwilling) to other parts of the Islamic world. Don't allow a group of Pakistan army officers, who are actively engaged in sowing the seeds of crisis and chaos, to add fuel to the fire of killing and massacre of innocents. Don't allow the US oil companies to encash their petty interests in Afghanistan and Central Asia by causing the bloodshed of tens of thousands of Muslims.

Don't allow the US oil companies to encash their petty interests in Afghanistan and Central Asia by causing the bloodshed of tens of thousands of Muslims.

I, by the Grace and Mercy of the Almighty and with the sincere cooperation of high ranking and responsible authorities of the country, have been successful in controlling this fire which otherwise would have gone out of control. But all should know that the danger is very grave, expansive and close and cannot be avoided unless the Pakistan army is restrained from interfering in Afghanistan, and also by compelling the Taliban leaders to accept and adopt a logical attitude by avoiding to cause such inhuman incidents and to compensate for their misdeeds.

I would like to convey my feelings to the youth of the oppressed Hazara community and other Afghan communities with these words uttered with a heavy heart and with tears in my eyes. I am minutely observing and monitoring the tragic happening and the most difficult situations you people are passing through. I do realise your pain and agony. I urge upon you to depend on the Almighty and seek assistance from Him and bravely face and fight back the barbaric acts of the enemies of humanity by depending upon the divine promise سيجعل الله بعد عسر يسرا انشاء الله by the grace and assistance of the divine force, you will emerge victorious and the whole world will witness that your enemy will meet with shameful defeat.

فرج الله عنكم و عنا بمحمد و آله.

Address of Hazrat Ayatullah-ul-Uzma Syed Ali Khamenei to the Leaders of the Islamic Conference

The supreme spiritual leader began his address by commending the congregation on their valuable contribution to the propagation of Islam. He praised it as an act which pleased the Almighty and said that they were following in the footsteps of Prophet Mohammad (PBUH) who was the first propagator of Islam.

He stressed that it was the words and deeds of noble men that spread the message of Islam and not the sword, which serves only to remove obstacles in the path of Islam. Preaching and practising true Islam by it's propagators has resulted in Islam spreading far and wide and is still flourishing. An example of this is Iran and also the ex-Soviet Republics where 70 years of tyranny failed to wipe out Islam from the hearts of the people, he said.

He reminded his listeners that they posses the holy Quran and follow the path shown by the Prophet and the Imams (PBUT). Just as communism could not crush Islam, neither shall the western world. He predicted that the next century belonged to Islam and cautioned the leaders about the heavy responsibility that rests upon their shoulders. He said that the invitation towards Islam should be made after understanding the invitees background so that the tone and content of message is effective.

He expressed his sadness at the way Islam is relegated only to matters of worship and personal affairs, leaving it out of other very important areas like politics, economics, society etc. He pointed out that Islam, as preached and practised by the Prophet (PBUH) permeated every aspect of human affairs. Another damaging attitude, he said, was to disregard the Quran and Islamic knowledge and to look to the West to prove Islam right. Even though today Europe and America have made great progress in all spheres and possesses power wealth and know-how, it lacks spiritual contentment, love for humanity, social justice, it's youth is restless and directionless and the fabric of the family is being torn apart, he said.

In their society personal freedom is thought to be very important, yet freedom of entire peoples under subjugation is disregarded. In this respect he cited the example of Palestine whose people were left nationless. He accused the West especially USA and Israel of being hypocrites, on one hand preaching humanity and on the other practising inhumanity. They also started and fought the bloodiest wars in history that killed millions and also practised terrible oppression of the natives of Asia and Africa under colonialism and imperialism.

The exalted leader warned that the western world has mounted a cultural invasion against the Islamic world. He clarified that all cultures must benefit from each other but it must be a give and take relationship and no culture must capitulate to another. Now that the world awakening to Islam, the Muslim Nations want to be their own Masters.

He pointed out that Iran has good relations with all nations except USA and Israel because of their anti-Iranian and anti-Islamic activities. He said that Iran gave a befitting reply to anyone wishing to subjugate or invade it. Enemies do not create insurmountable problems, only dampen the speed of progress to some extent.

Ayatullah Syed Ali Khamenei appealed to the propagators of Islam to combat this cultural invasion by launching a counter attack of a positive nature that shall attract people towards Islam. The world, he said, is in dire need of justice providing Islam. However, through the arts, media, films, books, re-writing of history, etc., the western world seeks to undermine Islam and spread dis-information.

In order to combat this onslaught, the leader appealed to the artists of the Muslim world to use their artistic talents to protest against this oppression and protect their rights especially in Palestine. The atrocities and injustice are not to be forgotten as things of the past, which is what the west wants.

However, he emphasised, what needs to be forgotten are the internal conflicts between Muslims and made an appeal to all Muslims to consider themselves one commu-

nity albeit comprising of separate races and nationalities. He declared that this Islamic Conference should be used as a platform to end or at least lessen tensions between Muslim nations and expressed satisfaction at the state of Iran's relations with brother Muslim nations the most recent being with Saudi Arabia.

He called upon all the Muslims to stand united to practise, propagate and defend Islam and work towards a common goal of establishing Islamic unity.

PERSIAN LITERATURE IN INDIA

The history of the Persian language in India is inextricably linked to the 800 years old Saga of the rise and fall of Muslims in India. Persian has played a very important role in the rise and development of Indian social and cultural life during Medieval period of India.

Indian languages like Pali, Sanskrit, Bengali, Tamil, Marathi, Telegu, etc. contain many Persian words. This is due to common ancestry through the Aryans and also because the Persian speaking Muslims came to India to make it their home and not as foreigners.

The conquest of Punjab by Mahmud Ghaznavi in 1021-22 AD marks the advent of Persian into India. Khwaja Mas'ood Sa'ad Salman was a great poet of this period. The first Persian book in India was Syed Abul Hasan Hajweri's "*Kashf-ul-Mehjoob*".

The first important Indian poet of Persian was Amir Khusrau Dehlavi. Although he was primarily a ghazal writing poet, he also wrote stories, rubaiyat, poems, eulogies, about sufism, music and described Indian culture, weather, customs, flora and fauna etc. in his writings. Another important poet of this era was Amir Hasan Alaa who was known as "*Sa'adi-e-Hind*".

It was under the benign patronage of the Mughals that Persian began to prosper. The first Mughal Emperor Babur was a lover of poetry and learning. He too was a poet and wrote in both Persian and Turkish, patronised poets and invented a script called "*Khat-e-Baburi*".

He inculcated his love for poetry in his sons Humayun, Kamran, Askari, Hindal who were themselves poets and patrons thereof. Some famous poets of this period were Qasim Kahi, Shaikh Gadai Dehlavi, etc. The Panchatantra was translated into Persian.

However, it was in the reign of Akbar that the Persian language reached it's zenith. Although unable to read and write, he was nevertheless quite learned and loved poetry. He evaluated the work of poets and patronised them generously and also wrote poetry himself. His contribution to Persian language and literature in India is without example. A great Persian poet in his court was Ghazali Mashadi.

(*To be contd.*)

ARCHITECTURE OF MOSQUES

In the field of architecture, a special status is accorded to the Mosque, the House of God, which forms the spiritual and social centre of the Muslim community.

Big or small, opulent or simple, no place where Muslims reside ever lacks a mosque, be it a tiny hamlet or a bustling metropolis.

The first mosque of Islam was built in Medina where the Prophet (PBUH) and the neo-Muslims had taken refuge. The site for this premier House of God was chosen by the Almighty, and Hazrat Mohammad (PBUH) participated in it's construction. This mosque, apart from being a place of worship, also discharged several other functions like social, economic, political, etc.

The Prophet of God (PBUH) would lead the prayers at the mosque known as Masjid-e-Nabavi. This practise was continued by the righteous.

This mosque was the Prophet's (PBUH) favourite (*Masjid-e-Nabavi*)

and it became the model for subsequent mosques built all over the world even in those areas that came under the influence of Islam much later.

During the period of Hazrat Mohammad (PBUH) and his righteous successors, simplicity in all things were practised, so also in the construction of Mosques. However this age of austerity soon ended. The later leaders of the Ummayad and Abbasid dynasties began to reign like Emperors, building opulent and extravagant mosques a trend which soon came to be followed by the Muslim world. Not only were older structures rebuilt and expanded (e.g.: *Masjid-e-Kufa, Masjid-e-Mecca, Masjid-e-Nabavi*) but new magnificent ones were also constructed (e.g.: *Masjid-e-Damishq*).

The Abbasid capital of Baghdad acquired beautiful mosques also, however most were subsequently destroyed (e.g.: the magnificent *Al-Mutawakkil* mosque).

As Islam began to spread far and wide, mosques began to be built all over the world. Although the essential like qibla, mehrab, musalla, etc. remained constant, the style of architecture varied from place to place.

The Muslim conquest of Iran led to a conflict between the old order and the new in all spheres of national life, so also in architecture. Islam brought in a new way of thinking that coloured all things. In Iran, pre-Islamic architecture consisted of places of worship (fire temples), palaces, tanks, forts, ponds, gardens etc. all constructed to exhibit the wealth, power and glory of the Emperors who were considered to be divinely ordained. The common man was overawed by this splendour. He could enter but as slave or servant only.

However, with the advent of Islam and it's Divine Message, the focus shifted from opulent palatial structures to the construction of mosques. Here all could enter freely and discharge their Islamic duties.

Under the Abbasids however, the spirit of freedom began to gain ground in Iran and certain influential families broke free and established their own rule. Their role model was the pre-Islamic Sassanid Empire with it's display of wealth and power and so their architecture too followed their example.

However, with the disintegration of the Pan Islam empire, the various arts began to acquire newer flavours in every country and newer disciplines began to come into existence.

Islam Invites all Religions to have a Dialogue for Unity

Message of the Minister of Culture and Islamic Guidance, Islamic Republic of Iran

Islam is not concerned only with the unity between Shia and Sunni religious orders and organisations but invites all religions and creeds to a dialogue to achieve the same.

The Minister of Culture and Islamic Guidance of Iran, Dr. Syed Ataullah Muhajarani, in his recent meeting with the top officials of the Organisation of Culture and Islamic Relations (*Sazman-e-Farhang-o-Irtabatat-e-Islami*), speaking upon this issue said "The work of the Ministry of Culture and Islamic Guidance is the propagation of religion and for this purpose, in matters of religion, progressive thinking is necessary."

Continuing his message, he elaborated upon his point of progressive religious thinking by saying "between the various religions and creeds, the common factor, which is the unity and oneness of God, acquires central importance in this progressive thinking."

The Honourable Minister, in his short but impressive speech, expressed satisfaction with the work of the Organisation of Culture and Islamic Relations and declared it worthy of praise and commendation.

During the programme, the leader of the Organisation of Culture and Islamic Relations Ayatullah Taskheeri, presented a detailed report about the work and activities of the organisation and said that in terms of importance, this department of the Ministry of Culture and Islamic Guidance by itself plays the role of a cabinet.

Unity Seminar at the Aligarh Muslim University

On the 11th of June 1998, a Unity Seminar was organised at Aligarh jointly by the Aligarh Muslim University and the Culture House of the Islamic Republic of Iran, on the occasion of the birth anniversary of the Prophet Hazrat Mohammad (PBUH).

The seminar began with the recitation of the verses from the Holy Quran followed by a welcome speech by the University Registrar Mr. Ja'fari in which he commended the Iranian Cultural House on their initiative in organising much needed cultural and educational programmes.

The chief speaker and scholar Mr. Moosa Raza addressed the gathering and spoke about Islam's positive revolutionary nature. He called the Prophet (PBUH) a blessing upon mankind who stroke for equality and unity amongst Muslims and mankind.

The next address was by the Chief Guest of the seminar, the Honourable Dr. Mohammad Reza Bagheri on the topic **'The Roots of Unity'**, said that unity, love, co-operation are as all agree, the source of progress and prosperity. The strength of unity is much more than mere physical strength.

He continued on to say that man is a social animal and can prosper only if he co-operates with others in society. However, in today's world, due to rise in population, sharp increase in selfish wants and desires and ignoring of the principles of unity, conflicts have erupted.

He elaborated that the basic principles of unity complement those of Islam i.e. Oneness of God, Prophethood, Islamic equality and justice, social responsibility and co-operation, congregation during namaz in mosques especially on the occasion of Namaz-e-Juma and Hajj pilgrimage.

However, he warned, today this Islamic unity is under threat from international foes, and we can protect it by uniting and having common belief, action, leadership, aim, spirituality and culture.

Towards the end of his speech, he said that if Muslims recognise the importance of unity and apply its principles as exemplified by Islam, they too can acquire greatness and success. It is the responsibility of Islam to lead and guide mankind which is not possible without unity amongst its followers.

In conclusion, the honourable speaker congratulated the congregation on the birth anniversaries of Hazrat Mohammad and Imam Ja'far Sadiq (PBUT).

The next speaker to ascend the podium was the vice-chancellor of the Aligarh Muslim University Dr. Mehmood-ur-Rehman who said that amongst all the Prophets of every religion, Prophet Mohammad stands apart as the most impressive, complete and effective religious leader, a fact accepted by Western scholars also.

He continued that an important basic faith of Islam is the unity of religions and the acceptance of the Divine Messages and teachings of all earlier Prophets of God. This is proclaimed by the Holy Quran too, that all Holy Messengers taught one basic lesson: the Oneness of God.

He said that Islam greatly stressed upon knowledge, learning and study it is one of Islam's greatest gifts. The establishment of brotherhood and unity of mankind and the removal of all differences be they of class, caste, race, nationality, religious, cultural etc. is the aim of Islam. He said Islam and it's Prophet (PBUH) truly laid the foundation of democracy in the world. He presented human rights and the economic system of Islam as another great gift of Islam to mankind.

The other esteemed speakers of the seminar were Mufti Ahmad Qayyum, Prof. Azhar Dehlavi, Prof. Ja'far Raza Zaidi, Mr. Tafseer-ul-Hasan and Ms. Naseem Zehra, etc.

The Messenger of Husaini Revolution

HAZRAT-E-ZAINAB (PBUH)

After the birth of two illustrious grandsons Imam Hasan and Imam Husain, the Prophet's family (PBUT) awaits with great joy the birth of another grand child, praying along with other Muslims for the safety and health of mother and child.

The mother of the new-born is Hazrat Fatima Zehra (PBUH) the Prophet's daughter and God-given "Kausar". The baby's father is Hazrat Ali (PBUH) the Prophet's successor and Islam's greatest scholar, warrior, worshipper, the most pious and bravest of men and the first to accept the Prophet's (PBUH) Divine Message.

The new-born's maternal grandmother was Hazrat Khadija (PBUH) who showered all her wealth upon Islam, was the first woman to accept Islam, helped to propagate it and stood by the Prophet (PBUH) through all his trials. The baby's maternal grandfather is none other than the Holy Prophet of Islam himself (PBUH), while her paternal grandfather was Hazrat Abu Talib, the uncle and guardian of the Prophet (PBUT). The name of her paternal grandmother was Hazrat Fatima binte Asad (PBUH) to whom the Prophet gave his robe as a shroud.

The Prophet of God (PBUH) named the new-born girl Zainab in memory of his own daughter who had recently died. The new-born baby girl was born into God's chosen family with the responsibility of propagating and defending God's final and most complete religion. She was destined to play a major role in the survival of Islam.

Scholars agree that the Prophet, his family and pious Muslims were aware of the trials and tribulations that would face the Prophet's Household in Karbala in the future. Hazrat Gabriel had informed the Prophet of the events of Karbala half a century before they took place. An eminent scholar Ibn Aseer speaks of a handful of soil given to Hazrat Mohammad by Gabriel and entrusted to the care of Hazrat Umma Salma (one of the Prophet's wives) was to turn into blood the day Imam Husain was martyred at Karbala, which it did.

Another instance is of Zohair ibn-e Qain ul Jabali of the Usman camp who told his family and friends that he was joining the Husaini caravan going towards Iraq. He told them of Hazrat Salman Farsi informing them of great bounties, many years ago, for anyone who embraces martyrdom with Imam Husain at Karbala.

Other scholars have also written that Imam Husain was aware of the future events of Karbala since his childhood. So was Hazrat Ali who was sad at Hazrat Zainab's birth thinking of how she will suffer at Karbala after Imam Husain's martyrdom.

The Question that arises here is whether these traditions are false and made up by scholars and writers or are they true?

The answer is that these traditions have such strong and trustworthy foundations and documentary evidences that both eastern and western past and present scholars have upheld them and expressed complete satisfaction.

The great scholar Mohammad Al Haaj Saalmeen in his book "Sayyada Zainab" writes that at the birth of Zainab, along with great joy, the Prophet of Islam also felt sad and cried thinking of the great troubles and miseries she shall have to face at Kerbala after the martyrdom of Imam Husain.

It was possible to scoff at and ignore such predictions about Zainab's future at that time. But after they were proved correct by the Karbala tragedy, one can deny them no longer.

Hazrat Zainab grew up under the tender loving care of the Prophet and his family. Her teachers and imparters of knowledge were the most greatest scholars and divinely learned people the Prophet, Hazrat Ali and Hazrat Fatima (PBUT), teachers like no other young girl ever had. She was an able and gifted student.

She had been informed about the future tragic events that were to unfold at Karbala after the martyrdom of Imam Husain (PBUH) , in her childhood, in her mother's lap. She pleased Hazrat Ali (PBUH) in the serious and adult manner in which she accepted her destiny and responsibility towards Islam and was ready to face it, body and soul.

She was prepared to face the horror of the Karbala massacre, malnutrition, captivity, loss of the precious veil, become the leader of the caravan of widows and orphans and become the defender of Islam threatened by the dark forces of Yezid.

And that is what she did. She showed the world that evil shall be defeated and that might is not right by the martyrdom of Imam Husain and her great sacrifices. Hazrat Imam Husain and his sister Hazrat Zainab (PBUH) both saved Islam to see it thrive and prosper through centuries till date.

Unity and Harmony:

In the Light of Imam Khomeini's Vision and Principles

by Hujjat ul Islam Syed Ahmad Khomeini

In his struggle against the forces of evil, Imam Khomeini greatly stressed upon unity amongst the Islamic nations for the success of the Divine Revolution. The Imam places high those people who surrender their identity to the identity of the whole and thus become part of the Ever Shining Light. They are aware of and have knowledge of things other mortals do not because of their high spiritual positions.

The Imam states, in his book "Chehel Hadees", that great Divine Messengers and Messages all have Divine Aims which form the basis of progress and helps to eradicate evil. But the greatest aim is to bring about Unity and Harmony in thought, spirit and deed. If any community achieves this and works together to protect and promote both individual and community good, they shall surely reign supreme over the world.

He calls upon the Muslims of the world to unite as unity is much preferable to disharmony which eventually weaken the roots of religion and create chaos in society.

The Imam describes unity as God's first and greatest blessing and advised Muslims never to forget this great blessing and to practise and protect it by obeying God. Unity is pleasing to God while disharmony is Satan's tool.

All the Prophets have internalised the Divine Message of Unity and so should all Muslims. But it is not enough to unite on some matters alone, rather all should walk upon the Righteous Path united together. It is unity alone that shall result in success of Muslims against the foes of Islam. He calls the struggle and strife for unity a religious duty and so the responsibility of Muslim scholars, teachers and learned people and rulers is greater.

The Imam believed that the subject of Unity is expansive and to identify and understand all it's aspects he worked long and hard. His call for unity was not restricted to Iranians alone but to all the deprived peoples of the world. He gave a call to unity to fight against polytheism and atheism to protect Islam.

Within the geographical boundaries of a nation, unity between all castes, classes, races etc. is the first step towards social harmony. Be they professors, personnel of the armed forces, intellectuals, government servants, politicians, justice department officials etc. he wanted them to unite and it is this unity that bought success to the Islamic Revolution. He was strictly against racial, communal and geographical thinking and wanted unity be-

tween cultural, political and social groups.

The Imam knew that without the right setting and atmosphere, unity shall be impossible or atleast, weak. The elements were (1) individual and spiritual development (2) thoughts of freedom, perseverance and finding common grounds (3) belief that only unity can solve tangled political and social problems (4) guarding against those who seek to create mischief and endanger unity (5) using of logic and principles to foster and promote unity (6) trying to end intellectual conflicts between educational institutions Islamic theology and universities (7) identifying common interests and sorting differences of opinion in basic issues through dialogue and debate (8) propagating Islamic social, political, religious practices that promote unity — like namaz-e Juma'a, Hajj, etc. (9) making Muslims aware of their glorious past and reasons for present decadence (10) striving for cultural independence from the west and becoming self reliant (11) recognising one's foes (12) jihad and martyrdom (13) eradicating detrimental beliefs and practices that have crept into religious life and become an integral part of religion and culture, also eradicate biases (14) creating unity in the words and deeds of those calling for unity.

Oneness/unity means answering the call of the leader for unity and obeying even if it means going against ones established customs. An example of which is the way the Iranians rose to the call of Imam Khomeini.

The Imam said that in the struggle of right versus wrong, awareness, unity and recognition of duty and true Islamic identity shall bring Muslims from present backwardness and darkness into progress and light. For example: his support to the Palestinians and his protest against Salman Rushdie's "Satanic Verses" both issues united the Muslim world.

Muslims have so much in common, one *namaz*, Prophet, *Quran*, *Qibla*, *Kalima*, *Sunnat*, *Hajj* etc. then why this conflict? All these can prove to build and strengthen harmony. The learned personalities and scholars should do it.

It is indeed sad that the people of the Prophet who preached unity, inspite of being gifted with every resource and unique geographical advantages is in constant conflict within itself allowing the anti-Islamic west to exploit them.

Muslims have so much in common, one namaz, Prophet, Quran, Qibla, Kalima, Sunnat, Hajj etc. then why this conflict? All these can prove to build and strengthen harmony. The learned personalities and scholars should do it.

He warns the leaders of Muslims states hostile towards brother Muslim states that instead of being united they enter into pacts and agreements with anti-Islamic nations. This is harmful for them, for fellow Muslims and for Islam.

Instead, the Imam says, let us enter into a pact to promote love and brotherhood with fellow Muslims instead of with America and Israel whose aim is to destroy Islam.

The writer declares that by obeying the Imam the people of Iran are willing to unite and live in harmony with the governments and people of other Muslim nations and strive for peace and harmony.

□ □ □

An Introduction to 'Irfan

by Martyr Murtaza Mutahhari

'Irfan is one of the disciplines that originated within the realm of Islamic culture and developed there to attain a high level of sophistication. But before we can begin to discuss 'irfan, we must realise that it can be approached from two viewpoints: the social and the academic. Unlike the scholars of other Islamic disciples – such as the Quranic commentators (*mufassirun*), the scholars of *hadith* (*muhadithun*), the jurisprudents (*fuqaha*), the theologians (*mutakallimun*), the philosophers, the men of literature, and the poets – the 'urafa' are a group of scholars who have not only developed their own science, 'irfan, producing great scholars and important books, but have also given rise within the Islamic world to a distinct social grouping. In this the 'urafa' are unique; for the scholars of the other Islamic disciplines – such as the jurisprudents, for instance – form solely academic groupings and are not viewed as a social group distinct from the rest of society.

In view of this distinction the Gnostics, when referred to as belonging to a certain academic discipline, are called 'urafa' and when referred to as a social group are generally called sufis (*mutasawwifah*).

The 'urafa' and sufis are not regarded as forming a separate sect in Islam, nor do they claim themselves to be such. They are to be found within every Islamic school and sect, yet, at the same time, they coalesce to form a distinct social group. The factors that set them apart from the rest of Islamic society are a distinctive chain of ideas and opinions, a special code governing their social intercourse, dress and even, sometimes, the way they wear their hair and beards, and their living communally in their hospices. (Pers. *khaniqah*; Ar. *ribat, zawiyah*; Turk. *tekkiye*)

Of course, there are and have always been 'urafa' – particularly amongst the Shi'ah – who bear none of these external signs to distinguish them socially from others; yet, at the same time, they have been profoundly involved in the spiritual methodology of 'irfan (*sayr wa suluk*). It is these who are the real Gnostics; not those who have invented for themselves hundreds of special mannerisms and customs and have brought innovations into being.

In this series of lectures, in which we are taking a general look at Islamic sciences and disciplines, we will not be dealing with the social and sectarian aspect of gnosis, that is to say, *tasawwuf* (sufism). We will limit ourselves to an examination of 'irfan as a disciplines and branch amongst the branches of Islam's scientific culture. To look thoroughly at the social aspects of sufism would require us to examine its causes and origins, the effects – positive and negative, beneficial and detrimental – it has and has had upon Islamic society, the nature of the relations between the sufis and other Islamic groups, the hue it has given to the whole of Islamic teachings, and the role it has played in the diffusion of Islam throughout the world. This is far beyond the range of these lectures, and here we will consider the tradition of 'irfan only as a science and as one of the academic disciplines of Islam.

'Irfan, as a scientific and academic discipline, itself has two branches: the practical and the theoretical. The practical aspect of 'irfan describes and explains the relationship and responsibilities the human being bears towards itself, towards the world and towards God. Here, 'irfan is similar to ethics (*akhlaq*), both of them being practical sciences. There do exist differences, however, and later we will explain them.

The practical teaching of 'irfan is also called the itinerary of the spiritual path (*sayr wa suluk*; lit. 'travelling and journeying'). Here, the wayfarer (*salik*) who desires to reach the goal of the sublime peak of humanness – that is to say, *tawhid* – is told where to set off, the ordered stages and stations that he must traverse, the states and conditions he will undergo at these stations, and the events that will

befall him. Needless to say, all these stages and stations must be passed under the guidance and supervision of a mature and perfect example of humanity who, having travelled this path, is aware of the manners and ways of each station. If not, and there is no perfect human being to guide him on his path, he is in danger of going astray.

The perfect man, the master, who must necessarily accompany the novice on the spiritual journey according to the 'urafa', has been called in their vocabulary as *Ta'ir al-quds* (the Holy Bird) and Khidr:

همتم به رقه راه کن ای (طایرقدس)

که در از است ره مقصد و من (نوسفرم)

Accompany my zeal on the path. O Tai'ir al-Quds,
The path to the goal is long, and I new to the journey.

ترک این مرحله بی همرهی خضر مکن

ظلمات است بترس از خطر گمراهی

Leave not this stage without the company of Khidr,
There is darkness ahead; be afraid of losing the way.

Of course, there is a world of difference between the *tawhid* of the 'arif and the general view of *tawhid*. For the 'arif, *tawhid* is the sublime peak of humanness and the final goal of his spiritual journey, while for the ordinary people, and even the philosophers, *tawhid* means the essential Unity of the Necessary Being. For the 'arif, *tawhid* means that the ultimate reality is only God, and everything other than God is mere appearance, not reality. The 'arif's *tawhid* means that 'other than god there is nothing'. for the 'arif, *tawhid* means following a path and arriving at the stage when he sees nothing but God. However, this view of *tawhid* is not accepted by the opponents of the 'urafa, and some of them have declared such a view to be heretic. Yet the 'urafa' are convinced that this is the only true *tawhid*, and that the other stages of it cannot be said to be free of polytheism (*shirk*).

The 'urafa' do not see the attainment of the ideal stage of *tawhid* to be the function of reason and reflection. Rather they consider it to be the work of the heart, and attained through struggle, through the journeying, and through purifying and disciplining the self.

This, however, is the practical aspect of 'irfan, which is not unlike ethic, in this respect, for both discuss a series of things that 'ought to be done'. However, there are differences, and the first of these is that 'irfan discusses the human being's relationship with itself, with the world and with God, and its primal concern is man's relationship with God. Systems of ethics, on the other hand, do not all consider it necessary for the relationship between man and God to be discussed; it is only the religious ethical systems that give importance and attention to this matter.

The second difference is that the methodology of spiritual progression, *sayr wa suluk*, as the words *sayr* (travelling) and *suluk* (journeying) imply, is a dynamic one, while ethics, is static. That is, 'irfan speaks about a point of departure, a destination, and the stages and stations which, in their correct order, the wayfarer must traverse in order to arrive at the final destination. In the 'arif's view, there really is a path before the human being – a path that is actual and not in the least a metaphor and this path must be followed stage by stage, station by station; to arrive at any station without having traversed the preceding one is, in the 'arif's view, impossible. Thus the 'arif views the human soul to be a living organism, like a seedling or like a child, whose perfection lies in growth and maturation in a accordance with a particular system and order.

In ethics, however, the subjects are handled solely as a series of virtues, such as righteousness, honesty, sincerity, chastity, generosity, justice, and preferring others over oneself (*ithar*), to name but a few, with which the soul must be adorned. In the view of ethics, the human soul is rather like a house to be furnished with a series of beautiful objects, pictures and decorations, and no importance is attached to a particular sequence. It is not important where one begins or where one ends. It is of no consequence whether one starts at the ceiling or at the walls, at the top of a wall or at the bottom and so on. On the contrary, in 'irfan the ethical elements are discussed in a dynamic perspective.

The third difference between these two disciplines is that the spiritual elements of ethics are limited to concepts and ideas that are generally commonplace, while the spiritual elements of 'irfan are much more profound and expan-

sive. In the spiritual methodology of 'irfan, much mention is made of the heart and the states and happenings it will experience, and these experiences are known only to the wayfarer of the path during the course of his struggles and his journey on the path, while other people have no idea of these states and happenings.

The other branch of 'irfan is related to interpretation of being, that is, God, the universe, and the human being. Here 'irfan resembles philosophy, for both seek to understand existence, whereas practical 'irfan seeks, like ethics, to change the human being. However, just as there are differences between practical 'irfan and ethics, so also there exist differences between theoretical 'irfan and philosophy, and in the following section we will explain these differences.

Theoretical 'Irfan:

Theoretical 'irfan, as said before, is concerned with ontology, and discusses God, the world, and the human being. This aspect of 'irfan resembles theological philosophy (*falsafeh-ye ilahi*), which also seeks to describe being. Like theological philosophy, 'irfan also defines its subject, essential principles and problems, but whereas philosophy relies solely upon rational principles for its arguments, 'irfan bases its deductions on principles discovered through mystic experience (*kashf*) and then reverts to the language of reason to explain them.

The rationalistic deductions of philosophy can be likened to studying a passage written originally in the same language; the arguments of 'irfan, on the other hand, are like studying something that has been translated from some other language in which it was originally written. To be more precise, the 'arif wishes to explain those things which he claims to have witnessed with his heart and his entire being by using the language of reason.

The ontology of 'irfan is in several ways profoundly different from the ontology of philosophers. In the philosopher's view, both God and other things have reality, with the difference that while God is the Necessary Being (*wajib al-wujud*) and Existing-By-Himself, things other than God are only possible existents (*mumkin al-wujud*), existing-through-another, and are effects of the Necessary Being. However, the 'arif's ontology has no place for things other than God as existing alongside Him, even if they are effects of which He is the cause; rather, the Divine Being embraces and encompasses all things. That is to say, all things are names, qualities, and manifestations of God, not existents alongside Him.

The aim of the philosopher also differs from that of the 'arif. The philosopher wishes to understand the world; he wishes to form in his mind a correct and relatively complete picture of the realm of existence. The philosopher considers the highest mark of human perfection to lie in perceiving, by way of reason, the exact nature of existence so that the macrocosm finds a reflection within his mind while he in turn becomes a rational microcosm. Thus it is said when defining philosophy that:

صيرورة الانسان عالما عقليا مضاهيا للعالم العينى.

[Philosophy is] the (final) development of a rational knower ('alim) into an actual world ('alam).

This means that philosophy is a study whereby a human being becomes a rational microcosm similar to the actual macrocosm. But the 'arif, on the other hand, would have nothing to do with reason and understanding; he wishes to *reach* the very kernel and reality of existence, God, to become connected to it and witness it.

In the 'arif's view, human perfection does not mean having a picture of the realm of existence in one's mind; rather it is to return, by means of treading the spiritual path of progression, to the origin from which one has come, to overcome the separation of distance between oneself and the Divine Essence, and, in the realm of nearness, to obliterate one's finite self to abide in Divine Infinitude.

The tools of the philosopher are reason, logic and deduction, while the tools of the 'arif are the heart, spiritual struggle, purification and disciplining of the self, and an inner dynamism.

Later, when we come to the world-view of 'irfan, we shall also discuss how it differs from the world-view of philosophy.

'Irfan and Islam:

'Irfan, both practical and theoretical, is closely connected with the holy religion of Islam. Like

every other religion in fact more than any other religion Islam has explained the relationships of man with God, with the world, and with himself; and it has also given attention to describing and explaining existence.

Now, the question inevitably arises here about the relation between the ideas of 'irfan and the teachings of Islam. Of course, the 'urafa' never claim that they have something to say that is above or beyond Islam, and they are earnest in their denials of any such imputations. In fact, they claim to have discovered more of the realities of Islam, and that they are the true Muslims. Whether in the practical teaching of 'irfan or the theoretical, the 'urafa' always support their views by referral to the Quran, the Sunnah of the Prophet and the Imams, and the practice of the eminent amongst the Prophet's Companions.

However, others have held different views about the 'urafa', and these may be mentioned:

(a) A group of muhaddithun and jurisprudents has been of the view that the 'urafa' are not practically bound to Islam, and that their referrals to the Quran and the sunnah are merely a ruse to deceive the simple minded people and to draw to themselves the hearts of the Muslims. This group is of the view that 'irfan basically, has no connection with Islam.

(b) A group of modernists who do not have favourable relations with Islam and are ready to give a tumultuous welcome to anything that gives the appearance of freedom from the observances prescribed by the Shari'ah (*ibahah*)and which can be interpreted as a movement or uprising in the past against Islam and its laws, like the first group believe that in practice the 'urafa had no faith or belief in Islam and that 'irfan and *tasawwuf* was a movement of the non-Arab peoples against Islam and the Arabs, disguised under the robes of spirituality.

This group and the first are united in their view that the 'urafa are opposed to Islam. The difference between them is that the first group considers Islam to be sacred and, by banking on the Islamic sentiments of the Muslim masses, wishes to condemn the 'urafa' and ,in this way to hoot them off from the stage of the Islamic sciences. The second group however, by leaning on the great personalities of the 'urafa' – some of whom are of world-renown – wishes to use them as a means of propaganda against Islam. They detract Islam on the grounds that the subtle and sublime ideas of 'irfan found in Islamic culture are in fact alien to Islam. They consider that these elements entered Islamic culture from outside, for they say, Islam and its ideas thrive on a far lower level. This group also claims that the 'urafa's citations of the Quran and hadith were solely due to dissimulation and fear of the masses. This, they claim, was a means for them to save their lives.

(c) Besides the above two, there is also a third group which takes a rather neutral view of 'irfan. The view of this group is that 'irfan and sufism contain many innovations and deviations that do not accord with the Quran and the traditions; that this is more true of the practical teaching of 'irfan than its theoretical ideas, especially where it takes a sectarian aspect. Yet, they say, the 'urafa, like the Islamic scholars of other ranks and the majority of Islamic sects, have had the most sincere intentions towards Islam, never wishing to make any assertions contrary to its teachings. It is quite possible that they have made mistakes, in the same way as the other types of scholars theologian, philosophers, Quranic commentators, and jurisprudents have made mistakes, but this has never been due to an evil intention towards Islam.

In the view of this group, the issue of the 'urafa's supposed opposition to Islam was raised by those who harboured a special prejudice either against 'irfan or against Islam. If a person were to disinterestedly study the books of the 'urafa', provided that he is acquainted with their terminology and language, although he might come across many a mistake, he will not doubt the sincerity of their complete devotion to Islam.

Of the three views, I prefer the third. I do not believe that the 'urafa' have had evil intentions towards Islam. At the same time I believe that it is necessary for those having specialised knowledge of 'irfan and of the profound teachings of Islam to undertake an objective research and disinterested study of the conformity of the issues of 'irfan with Islamic teachings.

(To be contd.)

اور کفار جب قرآن کو سنتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمہیں گھور گھور کر (راہ راست سے) ضرور پھسلا دیں گے اور

کہتے ہیں کہ یہ تو سڑی ہے اور یہ (قرآن) تو سارے جہان کی نصیحت ہے۔ سورہ ن (القلم) آیات ۵۱-۵۲

Holy Shrine of Zeinab Al-Kubra, Damascus.

بارگاہ حضرت زینب کبریٰ ع، دمشق

RAH-E-ISLAM

(Urdu Monthly) R.N.I. No.49147/88

No.171-172, July-August 1998